بیادِ امامِ اہلِ سنت مجددِ ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

سہ ماہی

افکارِ رضا

ممبئی

مردہ قومیں اپنے اسلاف کو دفن کرکے بھول جاتی ہیں۔ زوال پذیر قومیں ان کے کارناموں کو حیرت و استعجاب سے تکتی رہتی ہیں۔ زندہ قوموں کے افراد ان کے چھوڑے ہوئے کام سے ابتداء کرتے ہیں کہ ان کی منزل تسخیر افلاک سے بھی آگے ہوتی ہے۔ اے نام لیوانِ امام احمد رضا تم نے تو ابھی اپنے امام کا اغیار تو درکنار امت مسلمہ میں بھی تعارف تک نہیں کرایا۔ ابھی بہت کام باقی ہے۔ اس کی قندیل سے اپنے چراغ روشن کرلو اور کائنات میں پھیل جاؤ۔

(سید عبداللہ طارق ایم اے۔ بی ایس سی)

تحریکِ فکرِ رضا
۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ
ممبئی ۴۰۰۰۰۸

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

سہ ماہی

افکارِ رضا

ممبئی

زیر ادارت، محمد زبیر قادری

جلد ۲ جولائی تا ستمبر ۹۶ء (۵) صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ شمارہ ۳

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

بھٹکا ہوں تو راستہ بتا جا!
اے شمعِ جمالِ مصطفائی!

مخبر صادق غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں بہتر فرقے ہوں گے۔ ایک فرقہ ناجی کے علاوہ سب کے سب ناری ہیں" (مشکوۃ۔ ترمذی)

آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آقا سرور کائنات کے فرمان کے مطابق امت مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر فرقہ حق پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن حق و باطل فرقوں میں امتیاز کیلئے کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں جن کے ذریعہ ہم فرقوں کی بھیڑ میں صحیح فرقہ کی پہچان کر سکیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ اسی پر قائم و دائم رہیں تاکہ آخرت میں جنت کے حق دار ہوں۔ قرآن و احادیث کے مطابق مسلک اہل سنت و جماعت ہی برحق ہے اور ساری دنیا میں مسلمانوں کی اکثریت اسی مسلک پر کاربند ہے۔

جب ہم اپنے اطراف و اکناف پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ دیوبندی، وہابی، غیر مقلد، اہل قرآن، جماعت اسلامی، شیعہ، خوجہ، بوہرہ، قادیانی، بہائی وغیرہ۔ چھوٹے چھوٹے فرقے بناکر سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کی تعداد کم کرنے میں کوشاں ہیں۔ یہ تمام فرقے اعلیٰ تعلیم یافتہ، اونچے عہدوں پر فائز خوشحال تاجر۔ مالی لحاظ سے مستحکم۔ منظم اور تمام دنیاوی مراعات و آسائشوں سے آراستہ بہترین زندگی گزارتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس جب ہم مسلمانوں کی بڑی جماعت (اہل سنت و جماعت) کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں اکثریت کم تعلیم یافتہ۔ بیروزگار۔ غلط دھندوں میں ملوث۔ معاشی بدحالی کا شکار اور ہمیشہ مسائل سے دوچار نظر آتی ہیں۔ کیا ہم نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی سوچا ہے کہ اس افراط و تفریط کی وجہ کیا ہے؟ ان چھوٹے چھوٹے فرقوں کے پاس تمام دنیاوی وسائل اور آسائشیں کیوں ہیں اور اہل سنت اس سے محروم کیوں؟؟؟

اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ چند ہزار اور چند لاکھ پر مشتمل یہ نئے نئے فرقے باطل طاغوتی طاقتوں کی پیداوار ہیں۔ ابتدائے اسلام سے ہی جن کا مقصد اسلام کا خاتمہ رہا ہے اور یہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر جہت اور ہر پہلو سے کوششیں کر رہے ہیں۔ اسلام کی بیخ کنی اور خاتمے سے مایوس ہو کر ان طاقتوں نے اسلام میں افتراق و انتشار پیدا کر کے مسلمانوں کو فرقوں میں بانٹ دیا۔ یہی طاغوتی طاقتیں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کے افراد کو بہکا کر انھیں تمام دنیاوی سہولیات، تعیشات اور تحفظ کا یقین دلاتی ہیں اور ان کے ذریعے مصنوعی فرقوں کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ باطل فرقوں کی سہولیات اور چمک دمک دیکھ کر کچھ لوگ ان کی جماعت کا حصہ بن جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ انہی کے عقائد کو اپنا لیتے ہیں اس پر یہ فرقے فخر کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا۔

طاغوتی طاقتوں نے ایک طرف ساری دنیا پر حکمرانی کرنے والی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف مصنوعی انقلاب کے ذریعہ ایران میں شیعہ حکومت اور حجاز میں وہابی حکومت قائم کرنے کے مواقع فراہم کیے اور ہو سکتا ہے مستقبل میں کہیں پر قادیانی یا بہائی حکومت بھی قائم کر دی جائے۔ لیکن اسلام کے نام پر قائم ان حکومتوں نے اپنے اپنے فرقوں کیلئے سہولیات اور پشت پناہی کے علاوہ کون سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم دنیا کا مذہبی ٹھیکیدار سعودی عرب مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر ہمیشہ خاموش تماشائی رہا ہے۔ جس نے کبھی بوسنیا، چیچنیا، صومالیہ، الجزائر، فلسطین، کشمیر، افغانستان وغیرہ کیلئے جہاد نہیں کیا (کبھی امداد کی بھی تو امریکی آقاؤں کے اشاروں پر لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی حد تک) البتہ اپنے ہی دینی بھائی عراق کی ایک غلطی پر اس کی سرکوبی کیلئے ساری دنیا سے فوجی مدد لی اور بالآخر اسے برباد کر کے چھوڑا۔ اسی سعودی نے آج بھی اپنی حفاظت کیلئے یہود و نصرانی افواج کی مدد لے رکھی ہے۔ ادھر ایران کی شیعہ حکومت دنیا کو دکھانے کے لئے امریکہ کو دھمکانے کا ڈرامہ کرتی رہتی ہے۔ نجدی اور رافضی حکومتوں کے علاوہ بھی مصر، شام، فلسطین، پاکستان وغیرہ کی کٹھ پتلی حکومتیں امریکہ کی غلام بنی ہوئی ہیں؟

یہ تمام فرقے امت کی اصلاح اور باطل طاغوتی طاقتوں کے خاتمے کا مشن لے کر اٹھے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے اخوان المسلمین۔ جماعت اسلامی وغیرہ دنیا بھر میں مصنوعی جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان سب کی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا۔ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی آج مسلمانوں کے حالات کیوں بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں؟ یہ یہ فرقے طاغوتی طاقتوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ بلکہ روز افزوں ان قوتوں کے شکنجے مضبوط ہوتے جا رہے ہیں اور مسلمانوں میں انتشار بڑھتا

جارہا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ جو قومیں ان فرقوں کی پرورش اور حفاظت کرتی ہیں وہ انہیں ایک محدود دائرہ میں رہ کر کام کرنے کی چھوٹ دیتی ہیں جس حد تک ان کا مفاد اجازت دیتا ہے۔ ان حدود کو جو بھی توڑنے کی کوشش کرتا ہے اسے خاموش کر دیا جاتا ہے۔

ان تمام سازشوں کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی اکثریت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قدیم مذہب پر قائم و دائم ہے اور جسے ساری دنیا میں اہل سنت و جماعت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جو کوئی بھی صاحب بصیرت ذرا سی کوشش سے تاریخی حالات و پس منظر پر غور و فکر کر کے سمجھ سکتا ہے۔ ہماری تمام مکاتب فکر کے علماء، دانشوران، مفکرین اور عوام الناس سے اپیل ہے کہ وہ کھلے دل سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ حقائق کو پرکھیں۔ پہچانیں اور سچے دین کے ساتھ ہو جائیں۔ اسی میں ان کا بھلا ہے اور اسی میں فلاح و بقا بھی۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہر عہد میں علماء و صوفیاء کرام ہی جانشین انبیاء ہیں۔ اس لیے ہر معاملے میں انہی سے رجوع کیا جائے۔ نئے نئے فرقوں کی ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر حال میں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کے ساتھ جڑے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنین کا ہر لمحہ امتحان لیتا ہے۔ اس امتحان میں کامیابی سے گزر جائیں۔ پھر انشاء اللہ جنت کی ابدی نعمتیں تمہارے ہی لیے ہیں

اخبار رضا

○ امسال بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ۷۷ واں عرس ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۷ مطابق ۱۳ جولائی ۹۶ بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا گیا۔ تمام ہندوستان اور بیرون ممالک سے لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ ○ عرس رضا کے موقع پر تحریک فکر رضا نے مشہور محقق نوشاد عالم چشتی کی تصنیف "بہار شریعت اور بہشتی زیور پر ایک نظر" کا اجراء کیا۔ ○ رضا اکیڈمی ممبئی نے عرس رضا میں درج ذیل کتابوں کا اجراء کیا۔ (۱) سالنامہ "یادگار رضا "۹۶۔ (۲) "تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ" مصنف مولانا شہاب الدین رضوی۔ (۳) "مولانا نقی علی بریلوی" ۔ از مولانا شہاب الدین رضوی۔ (۴) "فتاویٰ رضویہ کی انفرادی خصوصیات" مصنف محمد عبد الحکیم شرف قادری (۵) "فتاویٰ رضویہ" مترجم (آٹھ جلدیں) از: امام احمد رضا (۶) "کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" (عربی) تصنیف امام احمد رضا فاضل بریلوی۔ ○ سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل کی جانب سے ماریشس، ڈربن (ساؤتھ افریقہ)، فرانس اور مانچسٹر (برطانیہ) میں عرس رضوی منایا گیا۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت کی تصنیف "اعتقاد الاحباب" کا انگریزی ترجمہ Fundamental Faith of -

Islam امام احمد رضا کی کہانی خود ان کی زبانی" کا انگریزی ترجمہ Biography of ALA HAZRAT اور پروفیسر مسعود احمد کی تصنیف "نئی نئی باتیں" کا انگریزی ترجمہ "The Novelties" کا اجراء کیا گیا۔ ○ بریلی شریف میں عرس رضا کے موقع پر رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار نے مجلہ "پیغام رضا" کا اجراء کیا۔ ○ کنزالایمان ہندی انشاء اللہ عن قریب رضا اکیڈمی شاخ نائیگام ضلع ناندیر شائع کر رہا ہے۔ ○ "تمہید ایمان" کا ہندی ترجمہ رضا اکیڈمی شاخ نائیگام ضلع ناندیر۔ مہاراشٹر نے شائع کر دیا ہے۔ ○ گذشتہ دنوں حضرت مسعود ملت پروفیسر مسعود احمد صاحب اپنے برادر اصغر ڈاکٹر محمد سعید احمد مرحوم کی تعزیت کے لئے دہلی ہندوستان تشریف لائے۔ اس موقع پر تحریک فکر رضا ممبئی کے ایک وفد (محمد زبیر قادری۔ محمد اسحاق میمن۔ نوشاد عالم چشتی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر پیغام رضا) نے فتح پوری مسجد میں حضرت سے ملاقات کی۔ حضرت نے تحریک کے مشن اور مطبوعات کو سراہا اور مفید مشوروں سے نوازا۔ ○ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام اعلی حضرت فاضل بریلوی کے سالانہ عرس کے موقع پر امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۶ء، ۲۷ جون ۱۹۹۶ء ہوٹل ہالی ڈے ان کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں مختلف دانشوران رضویات نے مقالے پڑھے ○ اویس کمپنی۔ اردو بازار لاہور نے "کنزالایمان" کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے جسے ڈاکٹر عبدالمجید صاحب اولکھ ایم اے۔ پی ایچ ڈی پرنسپل جمیل اسٹاف انسٹی ٹیوٹ لاہور نے کئی برسوں کی محنت کے بعد ترتیب دیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ○ ڈاکٹر غیاث الدین قریشی (جی ڈی قریشی) ڈائریکٹر رضا اکیڈمی، برطانیہ ۴ مئی ۱۹۹۶ء کو برطانیہ میں انتقال فرما گئے۔ آپ رضا اکیڈمی کے ماہنامہ "اسلامک ٹائمز" برطانیہ کے سرپرست تھے۔ آپ نے اعلی حضرت کی "حدائق بخشش" کے ایک بڑے حصے کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ "تمہید ایمان" کا انگریزی ترجمہ کیا۔ پھر "کنزالایمان" اور تفسیر "خزائن العرفان" کا انگریزی ترجمہ بالاقساط "اسلامک ٹائمز" میں چھپ رہا تھا۔ وہ برطانیہ میں فکر رضا کے سفیر تھے۔ ○ رضوی کتاب گھر ۴۲۳، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶۔ نے "نئی نئی باتیں"۔ "علم غیب" "تعظیم و توقیر"۔ "نسبتوں کی بہاریں" کے انگریزی ترجمے شائع کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ "عیدوں کی عید" سات زبانوں میں (اردو، عربی، فارسی، سندھی، انگریزی، فرانسیسی، ہندی) اور ڈاکٹر محمد ہارون کی انگریزی تصنیف "غوث اعظم" اور پروفیسر مسعود احمد کی "Reflection and Impression" شائع کر دی ہیں۔ ○ سری لنکا کولمبو کی انجمن فیض رضا نے امام احمد رضا کی تصنیف "انوار البشارۃ" کا انگریزی ترجمہ شائع کر کے ارسال حرمین شریفین میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) پاکستان سے شائع کر رہا ہے۔ ○ امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا محمود جان ہزاروی نے امام احمد رضا کے وصال پر "ذکر رضا" ۱۹۲۱ء۔ کے عنوان سے منظوم تذکرہ لکھا تھا جسے طویل وقفے کے بعد ادارہ تحقیقات امام احمد رضا شائع کر رہا ہے۔ ○ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری نے فتاوی رضویہ سے ایک مقالہ "استاد کے حقوق" اخذ کیا

ہے۔ جو اپنے عنوان پر پہلا رسالہ ہوگا۔ جسے بزم عاشقان مصطفی لاہور شائع کر رہی ہے۔ ○ علامہ فیض احمد اویسی کی "شرح حدائق بخشش" کی جلد چہارم رضادار الاشاعت لاہور نے شائع کر دی ہے۔ ○ رضا فاؤنڈیشن لاہور نے فتاویٰ رضویہ جدید" کی جلد نہم شائع کر دی ہے۔ ○ مصر کے ایک اسکالر نے "حدائق بخشش" کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع کر رہا ہے۔ ○ "بات میری نہیں بات ہے زمانے کی" مرتب ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری کراچی اور لاہور سے شائع ہو گئی ہے۔ ○

برطانیہ میں سنی اجتماع

برطانیہ میں سنیوں کیلئے یہ بہت ہی مبارک ساعتیں تھیں جب ۱۷، ۱۸ اگست ۱۹۹ (سنیچر اتوار) کو شہر بولٹن میں Hayward Leisure کے مقام پر دو روزہ سنی اجتماع کا انعقاد کیا گیا۔ یہ اجتماع سنی دعوت اسلامی (مرکز اسماعیل جیب مسجد، کا بیکر اسٹریٹ، ممبئی ۹) کی جانب سے انعقاد پذیر ہوا۔ اس موقع پر خصوصی طور پر شرکت کیلئے حضرت مولانا محمد شاکر رضوی (امیر سنی دعوت اسلامی) اور محمد رضوان خان (مبلغ سنی دعوت اسلامی) ممبئی سے تشریف لائے۔ اس اجتماع میں برطانیہ کے مختلف شہروں سے کثیر تعداد میں شمع رسالت کے پروانوں نے شرکت کی۔ جن کے چہروں سے حصول علم کی تڑپ واضح تھی۔ اور اسی کیلئے وہ حاضر ہوئے تھے۔

اجتماع کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعدہ مشہور نعت گو الحاج خورشید احمد (پاکستان) نے نعت پاک کا نذرانہ پیش کیا۔ مختلف ممالک سے آئے ہوئے علماء کرام نے اجتماع سے خطاب کیا۔ کچھ مبلغین نے برطانیہ کی نوجوان نسل سے انگریزی میں خطاب کیا اور مختلف نشستوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا عملی مظاہرہ پیش کیا گیا۔ سنتوں کی عملی تربیت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا صحیح طریقہ بھی عملی طور پر سکھایا گیا۔ جسے ہر ایک نے بہت پسند کیا۔

دوسرے دن حضرت علامہ حامد کاظمی ابن غزالی دوراں حضرت علامہ سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ (پاکستان) نے شرکت فرما کر اجتماع کو رونق بخشی۔ ان کے متاثر کن طرز خطابت کو کافی سراہا گیا۔ علامہ شاہد رضا نعیمی (لندن) نے اس موقع پر اپنے نورانی بیان سے قلوب کو منور کیا۔ دوسرے دن عورتوں کیلئے بھی خصوصی انتظام کیا گیا اور امیر سنی دعوت اسلامی نے خطاب فرمایا۔ اپنے بیان میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی بہنیں دین اسلام پر ثابت قدمی سے جمی رہیں اور اسی میں ان کا تحفظ بھی ہے اگر ایک عورت اسلامی تعلیمات پر ثابت قدمی سے عمل کرے تو وہ معاشرہ میں ایک عظیم انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ انہوں نے نوجوانوں کو بھی تلقین فرمائی کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کریں اور منشیات یا مغربی کلچر کے زیر اثر گمراہ نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تمام برائیوں اور گمراہیوں سے بچا سکتی ہے۔

یہ اجتماع حضرت پیر طریقت نوری بابا کی صدارت میں ہوا۔ اور اہم شخصیتوں میں صوفی محمد [illegible] صاحب نے بھی شرکت فرما کر دعاؤں سے نوازا۔ اجتماع کا اختتام دعا پر ہوا۔ اس موقع پر بے شمار افراد پر خوف خدا سے رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے اپنی گذشتہ زندگی سے توبہ کر کے آئندہ صراط مستقیم پر چلنے کا عہد کیا۔ صلوٰۃ و سلام کے بعد لوگ اپنی اپنی منزلوں پر روانہ ہو گئے۔ اس امید کے ساتھ کہ اپنی زندگیوں کو آقا سرور کائنات کے فرمان کے مطابق ڈھال کر دنیا بھر میں اسلام کے ابدی پیغام کو عام کریں گے۔

اجتماع کے بعد حضرت مولانا محمد شاکر رضوی صاحب سے برطانیہ نیوز ایجنسی بی بی سی نے انٹرویو بھی لیا

اعترافات رضا

معاشیات۔ سائنس۔ ریاضی۔ تقابل ادیان

تحریر: ڈاکٹر سید عبداللہ طارق، ایم اے بی ایس سی انجینئرنگ (علیگ)
رکن موتمر عالم اسلامی

(ڈاکٹر سید عبداللہ طارق رامپوری درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ تقابل ادیان کے معروف اسکالر اور محقق ہیں۔ ایک عرصہ تک وہابی تحریک سے متاثر اور جماعت اسلامی کے قریب تھے لیکن جب امام اہل سنت امام احمد رضا کا مطالعہ کیا تو تاریکی سے اجالے میں آئے۔ ادارہ)

جہالت اندھیرا ہے۔ علم اجالا ہے۔ ضلالت تاریکی ہے۔ اسلام نور ہے۔ اللہ رب العزت آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ وہ اہل ایمان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے رب السموات والارض نے اپنے نور کی قدرت سے کائنات کی تخلیقات کا وسیلہ تخلیق فرمایا۔ وہ ایک نور تھا۔ نور جو تخلیق تھا اس کے ذریعہ ہی نور جو خالق ہے، اس کی پہچان ممکن ہے۔ سفیدی کی شناخت کے لیے سیاہی کا وجود ضروری ہے۔ رب ذوالجلال نے کائنات میں اندھیروں کو بھی وجود بخشا تاکہ تمام مخلوقات ان سے دامن بچاتے ہوئے نور کو پہچان کر اس کے دامن میں پناہ لے لیں۔ خلد میں ظلمات کی نور سے کش مکش کا تجربہ کرواکر جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔ بطور سزا نہیں جیسا کہ گمراہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ خلافت کی خلعت اور نعمت سے سرفراز کرکے کہ ان کی پیدائش ہی خلافت فی الارض کے واسطے تھی۔ الاسماء کلھا کے انوار انہیں عطا فرمائے گئے تھے۔

علوم آدم نسلِ آدم میں منتقل ہوتے رہے۔ ہر انسان کے تحت الشعور میں وہ علوم موجود رہے ہیں۔ مشاہدات کی دنیا آہستہ آہستہ بتدریج اس علم کو انسان کے تحت الشعور سے نکال کر شعور و احساسات میں لاتی رہی ہے اور لاتی رہے گی۔ میڈیکل سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی دماغ کا ارتقاء ابھی ۲۵ فی صد بھی نہیں ہوا ہے۔ آج جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ اپنی حیات میں اوسطاً اپنے ۲۵ فی صد دماغ کا استعمال ہی کر پاتے ہیں بالفاظ دیگر نسل انسانی کے لیے جو علوم مقدور تھے ان کا ابھی ۲۵ فی صد سے کم حصہ ہی کھل سکا ہے۔ تین چوتھائی سے زائد ابھی اس کمپیوٹر میں محفوظ ہے۔ جسے انسانی دماغ کہتے ہیں۔ لیکن وقت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ بقیہ ۷۵ فی صد علوم کو بھی بتدریج ظہور میں آنا ہے۔ اسی کا نام سائنسی ترقی ہے۔ لیکن ادھورا علم مہلک بھی ہوتا ہے۔ ظلمتوں سے شکست کھاتا رہتا ہے۔ اس لیے

رب کائنات نے دھیرے دھیرے ارتقاء پذیر علم کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ وہ تاریکیوں سے شکست کھاتا رہے۔ ایک انتظام اور فرمایا۔ وحی اور علم لدنی کے نزول کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ نامکمل علم کی رہنمائی ہوتی رہے۔ ان انوار کا دامن جس نے تھاما وہ دنیا کے پل صراط سے کامیاب گزر گیا۔ جو بے نیاز ہوا اسے مہیب تاریکیوں نے نگل لیا۔ نور کی موجودگی کے باوجود ایک بڑی تعداد اجالوں کا دامن کیوں نہیں تھام لیتی؟ اس لیے کہ ظلمت ابلیس بھی شرار بولہبی کا لبادہ اوڑھ کر آتی ہے اور نگاہوں کو خیرہ کر کے فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اسی کا تجربہ کرانے کے لیے تو نسل انسانی کے پہلے فرد کو تخت خلافت پر اتارنے سے پہلے آسمانوں میں روکا گیا تھا۔ ابلیس لعین ان کے پاس فریب کی قبا اوڑھ کر آیا تھا۔ فریب کا تجربہ ہو گیا۔

مومن ایک بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ شراروں سے پہلو بچاتے ہوئے نور حقیقی سے استفادہ ہی مومن کی فراست ہے۔ شرار بولہبی کا روز ازل سے نور مصطفوی کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری تھا کہ انسانیت کے ارتقاء کا دور اپنے عہد طفولیت سے نکل کر عنفوان شباب میں داخل ہو گیا۔

عنفوان شباب

انسانی عقل کے ارتقاء کا جب تک بچپن تھا نور اول تخلیق کو مجسم کر کے نور اول خالق نے دنیا میں نہ بھیجا تھا کیوں کہ ابھی انسان میں اس سے استفادے کی صلاحیتوں کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ ریکارڈ کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ تاریخ نویسی کا چلن نہ تھا۔ پچھلے انبیاء کے انوار کو انسان صرف سینوں میں محفوظ کر سکتے تھے۔ اور ابلیسی شرر کو مداخلت کرنے کے مواقع برابر ملتے رہتے تھے۔ چمڑے کے ٹکڑوں اور درخت کی چھالوں پر وحی کے الفاظ رقم کیے جاتے تھے، لیکن حفاظت علوم کا فن ابھی ایجاد نہ ہوا تھا اور وہ پارچہ جات امتداد زمانہ سے کچھ تلف ہو جاتے تھے اور کچھ ابلیس کے چیلوں کے ہاتھ پڑ جاتے تھے کہ وہ ان میں حسب خواہش ردو بدل کر ڈالیں۔

آج ریکارڈ کا دور ہے جو کچھ کسی نے ایک بار کہہ دیا اور لکھ دیا وہ ہزاروں لائبریریوں میں کتابوں اور کیسٹوں کی شکل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کی تردید میں نئی کوئی بات کہہ دی جائے، یہ تو ممکن ہے لیکن سابقہ قول کو معدوم کر دیا جائے۔ یہ اب ممکن نہیں رہا کیونکہ ارتقائے نسل انسانی کی جوانی کے دور میں حفاظت علوم کا فن اپنی معراج کو پہنچ چکا ہے۔

تاریخ میں اگر پیچھے کی سمت لوٹیں تو یہ حقیقت بالکل روشن ہو جائے گی کہ عقل کے ارتقاء کا

سلسلہ جوں ہی اس دور میں داخل ہوا جسے ریکارڈ کا دور کہتے ہیں، اسی لمحے رحمت پروردگار نے نور تخلیق اول کو مجسم کر کے نسل انسانی کے درمیان بھیج دیا۔ انسانیت نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھا۔ سرور کائنات نے آمنہ کی آغوش سے سر ابھارا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجوسیوں اور ہندیوں کے آتش کدوں کے شرارے بجھ گئے۔ نور مجسم آگیا تھا۔ رہنمائے علم مکمل آگیا تھا۔ چالیس بہاروں تک بشریت کے قالب میں رب کائنات کی براہ راست نگرانی میں اس کی تربیت ہوئی تاکہ ابلیس کی پھیلائی ہوئی چار سو ظلمت کی فریب کاریوں کو شکست فاش دینے کا خوب خوب تجربہ ہو جائے۔ چالیس سال کے بعد ظہور کا وقت آیا۔ پہلی وحی قرآنی کا نزول ہوا۔ غار حرا سے علم آخر کی ابتداء ہوئی محبوب خدا کے پاس خدا کا حکم آیا۔ "پڑھو ----" "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ پہلی وحی کا نور علم کی تاکید ساتھ لایا تھا۔ ضلالت تاریکی ہے۔ اسلام نور ہے۔ جہالت اندھیرا ہے علم اجالا ہے۔

داستان عروج وزوال

درود و سلام ہو فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ---- جبل نور سے آپ اترے اور اونٹوں کے چرانے والوں کو قوموں کا امام بنا دیا۔ اسلام کی بدولت۔ نور کی بدولت۔ علم کی بدولت۔ جنگی قیدیوں کی رہائی کا تاوان مقرر ہوا۔ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ تاکید فرمائی کہ گود سے گور تک علم حاصل کرو۔ اعلان فرمایا کہ عالم (باعمل) کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل ہے۔ عمل نے قلوب کو فتح کیا۔ علم نے دماغوں کو جیتا۔ اسلام نے قوموں کو مسخر کیا اور اسلامی پرچم دیکھتے دیکھتے نصف دنیا پر لہرانے لگا۔ قرطبہ اور بغداد کے کتب خانے وجہ رشک بن گئے۔ طب، طبیعات، کیمیا، بحریات، فلکیات، نجوم، حساب، ریاضی، الجبرا، لسانیات، معاشیات، عمرانیات، سیاست، اخلاقیات، الہیات، تواریخ، جغرافیہ، سوکس، فقہ، تصوف، علم کلام، منطق، انشا وغیرہ علوم کے خزانے عالم انسانی سے ابل رہے تھے۔ یہ مسلمانوں کے عروج کا دور تھا۔ ابلیس کی لاکھوں برس کی محنت رائگاں جا رہی تھی۔ جو رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا تھا وہ انسان کی فریب خوردگی سے مایوس نہ ہوا۔ علم کی ترقی کے ساتھ عمل کے میدان میں غفلت ہوئی ہی تھی کہ اسے موقع مل گیا۔

اسپین پر عیسائیوں کا تسلط ہو گیا اور بغداد کی تاتاریوں نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہ دو جھٹکے اتنے شدید تھے کہ صدیوں بعد آج بھی مسلمان ان کے اثرات کو مکمل زائل کرنے میں کامیاب

نہیں ہو سکے ہیں - اسپین میں چن چن کر مسلمان قتل کیے گئے - بغداد میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ ایک تاتاری عورت ایک مسلمان مرد کو راستے میں روک کر وہیں ٹھہرنے کا حکم دیتی تھی اور اپنے گھر سے تلوار لا کر اسی جگہ مبہوت کھڑے مسلمان کی گردن اڑا دیتی تھی - کھوپڑیوں کے میناروں پر بیٹھ کر شرابیں پی گئیں اور بغداد کے کتب خانوں کے نوادر سے دریاؤں کو پاٹ کر پل بنائے گئے - آہ - وہ ہمارا تاریک ترین دور تھا - اسلام اپنے پیروؤں کی نااہلی کے باعث دب تو جاتا ہے فنا نہیں ہو سکتا - وہ پھر ابھرا - تاتاری مسلمان ہو گئے لیکن قوم مسلم کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا - اشاعت اسلام کے علم برداروں نے حفاظت اسلام کا محاذ سنبھال لیا - اشاعت علم کی بلندی سے زوال ہوا تو حفاظت علم ہی میں خیریت نظر آئی - اقدام کے بجائے مدافعت ہماری زینت بن گئی جو زوال پذیر قوموں کی نشانی ہے - ترقی پذیر قوموں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ نیوٹن چاہے جتنا بڑا سائنس داں رہا ہو آئندہ آنے والے وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں اس نے چھوڑا تھا - اس کے بیشتر نظریات اس دوران رد بھی کیے جاتے ہیں لیکن اس سے اس کی عظمت اور بابائے جدید سائنس کہلانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی -

زوال پذیر قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتی رہتی ہیں - اس کے افراد کا یہ عقیدہ بن جاتا ہے کہ وہ ان کے علم کو محفوظ رکھ لیں اتنا کافی ہے، ان سے آگے بڑھنا تو درکنار ان کی برابری بھی ناقابل تصور ہے - اس احساس کمتری کی نفسیات کے زیر اثر وہ اپنی تمام قوتیں صرف حفاظت میں صرف کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب کوئی تجدیدی کام نہ ہو تو ارتقاء کا تصور تو درکنار، بقا کی حالت بھی برقرار نہیں رہتی کیوں کہ مکمل حفاظت (بجز الفاظ قرآن) ممکن نہیں ہے - فن اسماء الرجال کے انتہائی بلندی تک پہنچنے کے باوجود شرپسندوں نے احادیث کے ذخیرے میں گوبڑ کی -

زوال کے اس طویل دور میں بھی رحمت ذوالجلال نے وقت کے ہر تھوڑے فاصلے پر کوئی نہ کوئی روشنی کا مینار نصب کیے رکھا اور یہ انھیں لائٹ ہاوسز (light Houses) کا طفیل ہے کہ امت مسلمہ ایک مرتبہ پھر زوال کے آخری کنارے کو عبور کرنے کے سرے پر ہے اور عروج کے میدان میں انشاء اللہ تعالیٰ قدم رکھنا اب زیادہ دور نہیں -

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

وقت کی شاہراہ پر نصب ان روشنی کے میناروں میں سے ایک قریب ترین اور روشن مینار "احمد رضا" کے نام سے معروف ہے جس کی روشنی آج ۷۰ سال کے فاصلے سے بھی ظلمتوں کا سینہ چیرتی ہوئی جویان حق کو عروج کی سرحدوں کی جانب رواں دواں رہنے میں معاون ہے -

امام احمد رضا

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی عظمتوں کے کس پہلو کا بیان کروں۔ وہ علم کا سمندر تھے ایک موج تک پہنچنے کی کوشش ہی کرتا ہوں کہ اگلی سرسراتی ہوئی ہوا سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے اور حد نگاہ تک ایسی موجیں ہی موجیں نظر آتی ہیں۔ کیا سمندر کو کبھی کوزے میں بند کیا جاسکا ہے؟ اور پھر یہ خاکسار تو ابھی تازہ بتازہ ان کے مداحوں کی فہرست میں وارد ہوا ہے۔

علوم قرآنیہ سے گھر کے ماحول کے باعث بچپن ہی سے کچھ مناسبت رہی ہے۔ مگر ایک طفلِ مکتب کے لیے یہ ممکن نہیں کہ امام صاحب کی علوم دینیہ پر دسترس کے تذکرے کا احاطہ بھی کر سکے۔ امامانِ وقت نے جس کا لوہا مانا اس کے اس میدان کے جواہر سے آشنا کرانے کے لے اہل علم موجود ہیں اور حق ادا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ میں اس تذکرے کو چار مضامین، معاشیات، سائنس، ریاضی اور تقابل ادیان تک محدود رکھوں گا کیوں کہ اسے میں اپنے لیے سہل پاتا ہوں۔

معاشیات

معاشیات سے مجھے خصوصی ذاتی دل چسپی رہی ہے۔ اس میدان میں داخل ہو کر اعلیٰ حضرت کے قد پر نگاہ ڈالی تو یہاں بھی وہ بہت بلند نظر آئے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیوی علوم سے بے نیاز ہو کر دینی علوم کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ کم از کم ایک فقیہ اور مفتی کے لیے تو یہ ازحد ضروری ہے کہ اسے برق رفتاری سے تغیر پذیر دنیا میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے گردوپیش کا علم ہو۔ مثلاً مسائل حاضرہ کا ایک معمولی سوال ہے کہ روپئے کے بالعوض ڈالر خریدے اور بیچے جاسکتے ہیں یا نہیں، اور اس خرید و فروخت کے نتیجے میں منافع کمانا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر معمولی نظر آنے والے اس سوال کا جواب دینے کے لیے دار العلوم اور جامعات کا موجودہ نصابی کورس ناکافی ہے۔ جواب دینے والے مفتی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ کاغذ کا یہ ٹکڑا جسے ہم نوٹ یا ڈالر کہتے ہیں کیا چیز ہے؟ اس پر حکومت کے کنٹرول کی نوعیت کیا ہے؟ حکومتیں غریب اور امیر کیوں ہوتی ہیں؟ غریب حکومتیں بہت سے نوٹ چھاپ کر مالدار کیوں نہیں بن جاتیں؟ روپے کی قیمت میں کمی بیشی کیسے ہوتی ہے؟ ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے باہم کیا رشتہ ہے؟ ررزرو بینک اور عالمی بنک اس میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟ افراط زر اور قلت زر کا کیا مطلب ہے اور ان کے ملکی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ وغیرہ۔ ان تمام امور سے واقفیت کے بغیر مندرجہ بالا سوال کا صحیح جواب ممکن نہیں ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ معاشیات کے ماہرین قرآن و حدیث سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور مفتیانِ کرام بالعموم اکنامکس کی الف بے سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ ایسی صورت حال میں جدید مسائل پر دیے گئے فتاویٰ اگر جدید تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کرسکنے میں ناکام رہتے ہیں، اور دین پر فرسودگی کا الزام عائد ہوتا ہے، تو اس میں الزام لگانے والوں کا کچھ بہت زیادہ قصور نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا اس موضوع پر لکھا ہوا رسالہ اٹھا کر دیکھ لیجیے "کرنسی نوٹ کے مسائل" کے عنوان سے یہ رسالہ جو ایک اچھی خاصی کتاب ہے اردو زبان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ امام صاحب نے حجاز کے اپنے ایک سفر میں بارہ سوالات کے جواب میں یہ رسالہ فی البدیہہ عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا اور لطف یہ کہ دوران سفر حوالہ جات کے لیے کسی قسم کی کتب ساتھ نہ تھیں۔ اس میں جو فی البدیہہ فقہی حوالے تحریر فرمائے ان کا تعلق تو علم فقہ سے ہے لیکن کسی ماہر معاشیات کو اگر یہ مطالعے کے لیے دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ یہ ایک عالم دین کے قلم سے نکلنے والے وہ الفاظ ہیں جو چند گھنٹوں میں معرض وجود میں آگئے تھے تو وہ اسے ایک معجزے سے کم تصور نہیں کرے گا۔ اس دور کی معاشیات، مختلف معیشتوں کا باہم تعلق نوٹ اور روپے (اس زمانے میں چاندی کے روپے رائج تھے) کا باہمی ربط، ان دونوں کی جنس میں فرق کے باعث ان کے باہم تبادلے کی فقہی نوعیت، نوٹ کا ذخیرہ کرنا، نوٹ کے بدلے روپے خریدنا اور بیچنا، نوٹ مال ہے یا دستاویز وغیرہ پر امام صاحب نے ایسی سیر حاصل بحث کی کہ وہ بیک وقت ایک فقیہہ اور ماہر معاشیات نظر آتے ہیں اور یہی ان کا امتیاز ہے۔ انکم ٹیکس انسپکٹر لکھنؤ محترم ظہور افسر صاحب نے اپنی کتاب Ala Hazrat at a glance (اعلیٰ حضرت ایک نظر میں) کے ایک باب Ala Hazrat as an economist (اعلیٰ حضرت بحیثیت ایک ماہر معاشیات) میں اعلیٰ حضرت کی ۱۹۱۲ء کی ایک تصنیف کا مختصر تجزیہ پیش کیا ہے، جس میں انھوں نے ملک کے مسلمانوں کے سامنے چار بیش قیمت مشورے رکھے تھے ان میں سے ایک مشورہ یہ تھا کہ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدرآباد کے خوشحال مسلمان دیگر غریب مسلمانوں کے لیے بنک قائم کریں۔ جناب ظہور افسر صاحب کے تجزیے کا ایک جملہ اردو میں ترجمہ کرکے نقل کر رہا ہوں۔ جس سے اعلیٰ حضرت کی معاشی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے۔

"اعلیٰ حضرت نے ایک ایسے وقت میں بنک کاری کی بات کی اور اس کا مشورہ دیا جب ملک میں بنک کوئی خاص کردار ادا نہیں کر رہے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے بڑے شہروں میں صرف چند بینک تھے اور اس وقت کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ تین چار دہائیوں کے بعد بینک اتنی اہمیت

اختیار کر جائیں گے۔"

سائنس

سائنس زمانہ طالب علمی میں میرا خاص مضمون تھا۔ جدید دور میں کئی عالم ایسے گزرے ہیں جن کو سائنس سے نابلد نہیں کہا جا سکتا اور سائنس کے ہر طالب علم کے دل میں ایسے ہر عالم کی وقعت پیدا ہونا ناگزیر ہے جس نے سائنس کا مطالعہ بھی کیا ہو۔

ستمبر ۹۰ء میں برادر عزیز محمد شہاب الدین رضوی صاحب (جو اس وقت سنی دنیا بریلی کے مدیر ہیں) نے مجھے ایک کتاب مطالعے کے لیے دی "فوز مبین در رد حرکت زمین" جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصنیف تھی۔ دو سال قبل (ہفت روزہ) ہجوم نئی دہلی کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے وہ شکوک و شبہات رفع ہو چکے تھے۔ جو میرے حلقۂ تعارف کے باعث شروع سے میرے دماغ میں لپے تھے۔ جاوید بھائی (محترم جاوید حبیب صاحب مدیر ہجوم اور سابق کنوینر بابری مسجد ایکشن کمیٹی) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میری آنکھیں کھولی تھیں اور شہاب صاحب میرے محسن ہیں کہ اعلحضرت کے مقام کی طرف مجھے متوجہ کر گئے۔ ان کی دی ہوئی کتاب کے اوراق الٹتا رہا اور حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا۔ تقریباً ایک صدی قبل اس وقت کی جدید سائنس کی اتنی عمیق واقفیت رکھنے والا عالم دین اور اہل سائنس اسے صرف ایک فرسودہ عالم سمجھتے تھے۔ (ان کے ساتھ اس ناانصافی میں ان کے پیرووں کا بھی حصہ ہے۔ اس موضوع پر انشاء اللہ العزیز پھر کبھی اظہار خیال کروں گا) بعض علمائے دین کی سائنس سے واقفیت اور اس کے حوالے پیش کرنا قابل تحسین تھا لیکن خود سائنس کے میدان میں ممتاز سائنس دانوں کا انھیں کی زبان میں مدلل تعاقب میرے لیے ایک حیرت ناک تجربہ تھا۔ امام صاحب نے اس معرکۃ الآرا تصنیف میں گیلیلو کے Laws of Falling Bodies (گرنے والے اجسام کے اصول) کو پرنیکس اور کیپلر کے گردش سیارگان کے نظریات اور آئزک نیوٹن کے Law of inertia (کلیہ جمود) اور Law of gravitation کشش ثقل کا اصول) کا رد کیا ہے۔ البرٹ آئنسٹائن کی Theory of Relativity (نظریہ اضافت) پر گفتگو کی ہے۔ اور ارشمیدس کے اصول (پانی میں اشیاء کے وزن میں ہٹائے ہوئے پانی کے وزن کی بقدر کمی ہو جاتی ہے) کی تائید کی ہے۔ کتاب میں حضرت مولانا نے مد و جزر کی تفصیلات پر بہت طویل تکنیکی بحث کی ہے، دیگر سیاروں پر اجسام کے اوزان میں کمی بیشی پر تبصرہ فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب مذکورہ میں وہ سمندر کی گہرائی، زمین کے قطر، مختلف سیاروں

کے اہم فاصلے، مختلف مادوں کی relative Densities ہوا کے دباؤ کے سائنسی دعوؤں کی تفصیلات اور اعداد و شمار سے نہ صرف واقف نظر آتے ہیں بلکہ اپنے دلائل کے ثبوت میں ان اعداد و شمار کا استعمال کرتے ہیں۔

آج اعلیٰ حضرت کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت خود سائنس نے ہمیں فراہم کر دیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں حضرت امام نے سکونِ شمس کا مدلل رد فرمایا تھا اور آج سائنس کو اعتراف ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے بلکہ گردش میں ہے۔ سورج اپنے محور پر ایک چکر ۲۵ دن میں پورے کرتا ہے اور اپنے مدار (Orbit) میں ۱۵۰ میل فی سیکنڈ کے رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اب یہ بتایا ہے کہ سورج اور چاند کی زندگی ایک روز ختم ہو جائے گی اور یہ کہ سورج ایک مخصوص سمت میں بہا چلا جا رہا ہے۔ آج سائنس اس مقام کا محل وقوع بھی بتاتی ہے اور جہاں تک سورج جا کر ختم ہو گا اسے Solar Apex کا نام دیا گیا ہے۔ سورج اس سمت ۱۲ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے بہہ رہا ہے

اللہ اکبر! اللہ عزوجل نے اپنے حبیب کی معرفت اپنے کلام میں ڈیڑھ ہزار سال قبل مطلع فرما دیا تھا کہ۔

"اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے۔ ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے ---" (لقمٰن -۲۹) (کنزالایمان)

نیز۔ "اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے۔ یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔" (یٰسین - ۳۸)

یہ اعزاز عاشقِ زار مصطفیٰ جان رحمت احمد رضا کا مقدر ہوا کہ سائنس کے سکون شمس کے نظریے کے پیش ہونے کے بعد وہ پہلا شخص تھا جس نے سائنسی دلائل ہی سے اس کا رد کیا اور سورج کو حرکت پذیر اور محو گردش ثابت کیا۔

آج حق ثابت ہو چکا۔ باطل ملیامیٹ ہو گیا۔ ان الباطل کان زھوقا۔ لیکن افسوس! حق پرست امام احمد رضا کو پیروانِ امام، امامانِ سائنس سے تسلیم کروانے میں ہنوز ناکام ہیں۔

امام صاحب کی عظمت کا ایک اور زندہ ثبوت یہ ہے کہ بابائے جدید سائنس سر آئزک نیوٹن کے بیشتر نظریات میں آج سائنس نے ترمیم کر لی ہے۔

دورِ زوال کی شروعات کے بعد سے آج تک میرے علم میں ایک بھی عالم دین ایسا نہیں ہے

جس نے بارہا اپنے وقت کی سائنس کو اسی کے میدان میں اسی کی زبان میں چیلنج کیا ہو اور بالآخر کامران رہا ہو۔ لفظ "بارہا" میں نے اس لیے استعمال کیا کہ کم از کم ایک اور واقعہ اسی نوع کا امام صاحب کے تذکرے میں جگہ جگہ میں نے پڑھا ہے اور یقیناً بیشتر قارئین کی نظر سے وہ پہلے ہی گزر چکا ہو گا کہ امریکی میٹرو لوجسٹ البرٹ پورٹا نے پیشین گوئی کی تھی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ کو سیاروں کے اجتماع اور کشش کے باعث دنیا میں زلزلے اور طوفان آئیں گے۔ امام صاحب نے اس کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اور امام صاحب کی بات سچ ثابت ہوئی۔ پورٹا کی پیشین گوئی غلط نکلی۔

ریاضی

الیکٹریکل انجینیرنگ کی تعلیم کے دوران سائنس کے ساتھ ایڈوانس میتھمیٹکس بھی میرا مضمون تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک بی ایس سی کے درجہ تک کا ریاضی کا طالب علم بھی "فوز مبین در رد حرکت زمین" میں امام احمد رضا کی حسابی باریکیوں کو پوری طرح سمجھ سکنے کا اہل ہو گا۔ اسے سمجھنے کے لیے کم از کم ایم۔ ایس۔ سی (ریاضی) کی استعداد کی ضرورت ہے۔ ریاضی ایسا مضمون نہیں ہے جو بغیر استاد کی مدد کے پڑھا جا سکے لیکن تاریخ میں کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جنھیں عام لوگوں کے لیے وضع کردہ اصولوں پر پرکھنا ممکن نہیں ہے۔ امام صاحب ان میں سے ایک تھے۔ اپنی اس کتاب میں وہ الجبرا، جیومیٹری، ٹرگنومیٹری، لوگارتھم Logarithm اور Applied Maths کے مضامین اسٹیٹکس اور ڈائنامکس کا ایک اتھارٹی کی حیثیت سے استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور لطف یہ کہ سائنس اور ریاضی کے خشک مضامین کی بحث کے دوران جا بجا مندرجہ ذیل طرز کی ادبی چاشنی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

"وہی بات آگئی جو ہم نے ان کی دانش پر گمان کی تھی کہ نیچے دیکھا تو جذب سمجھے اوپر نگاہ اٹھی تو اسے بھول گئے۔ فرار پر قرار ہوا۔"

تقابل ادیان

راقم الحروف کی موجودہ دلچسپیاں تقابل ادیان کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ گو کہ اس موضوع پر کوئی باقاعدہ رسالہ یا تصنیف امام صاحب کی میرے علم میں نہیں ہے لیکن مجھے ایک خوش گوار حیرت سے دو چار تب ہونا پڑا جب فتاویٰ رضویہ میں جگہ جگہ امام صاحب کی دیگر ادیان سے واقفیت کی جھلک نظر آئی

ایک صاحب نے فری میسن تحریک سے متعلق سوال پوچھا۔

فری میسن ان چند خفیہ تحریکوں میں سے ایک ہے جس سے واقفیت رکھنے والا کروڑوں میں

کوئی ہوتا ہے۔ فری میسن کے رموز اور اصولوں کو اس کے ممبران کسی پر کبھی ظاہر نہیں کرتے۔ مجھے واقعی حیرت ہوگی اگر آج ہندوستان کا کوئی ایک عالم دین بھی فری میسن سے واقفیت رکھنے والا میرے علم میں آئے گا۔

امام صاحب نے جواب دیا۔ گو جواب مفصل نہیں ہے لیکن سائل کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب فتاوی کی جلد دہم نصف آخر کے ص ۲۵۸ پر تحریر ہے۔

ایک صاحب نے سوال بھیجا کہ گاندھی جی کو مہاتما کہنا کیسا ہے؟

کوئی فرسودہ عالم ہوتا تو جواب دیتا کہ مشرکین کی زبان استعمال کرنا سخت ناروا ہے۔

اوسط فہم رکھنے والے علماء تہدید فرماتے کہ مشرک غیر مسلم کی تعظیم جائز نہیں ہے اس لیے اجازت نہیں۔

ترقی پسند ذہن رکھنے والا عالم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ رائج الوقت زبان کا جز ہے اور بعض مواقع پر خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر مسلم سربراہان قبائل کی دعوتی نقطہ نظر سے عزت افزائی فرمائی ہے۔

لیکن جس باریکی کی طرف امام صاحب نے متوجہ فرمایا اس طرف اسی کی نگاہ جا سکتی ہے جو تقابل ادیان سے دل چسپی رکھتا ہو۔ جواب میں فرمایا کہ مہاتما کا مطلب ہے روحِ اعظم اور لفظ روحِ اعظم جس ہستی کے لیے مخصوص ہے اس کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ کسی مسلمان کے لیے بھی نہیں۔

مندرجہ بالا سوال و جواب بھی فتاوی رضویہ جلد دہم میں درج ہیں۔

"فوز مبین در رد حرکت زمین" کا آغاز آیات قرآنی اور عربی زبان میں حمد و ثنا و دعا کے بعد ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"الحمد للہ وہ نور کہ طور سینا سے آیا اور جبل ساعیر سے چمکا اور فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار و عالم آشکار ہوا۔۔۔"

مندرجہ بالا الفاظ کا استعمال حضرت مولانا کے بائبل کے مطالعے کا غماز ہے۔ مولانا آزاد جیسے ذہین اور قادر کلام شخص نے امام صاحب کے یہ الفاظ اپنے تقابلی مطالعے کے ایک مضمون کی تمہید کے لیے (معمولی رد و بدل کے ساتھ) مستعار لیے۔

بعض عالم کہلانے والے کم علم لوگ اس خیال کی اشاعت کرتے نظر آتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی

اور دیگر مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ گناہ ہے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث کو نہیں جانتے کہ۔

"قریب ہے وہ شخص اسلام کی ایک ایک کڑی علیحدہ کر دے جس نے اسلام میں ہی آنکھیں کھولیں اور جاہلیت سے بالکل ناآشنا ہے۔"

وہ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی واقف نہیں ہیں کہ۔

حدثوا عن بنی اسرائیل و لا حرج یعنی بنی اسرائیل کی روایتیں۔
(حسب ضرورت دین) بیان کر سکتے ہو اس میں حرج نہیں ہے۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مذاہب غیر کے پیروؤں کے اعتراضات کا رد انھیں کے اعتقادات اور انھیں کی تسلیم شدہ کتب کے ذریعہ بے حد موثر انداز میں دیا کرتے تھے۔ امام صاحب کے علمی تبحر کا یہ پہلو ابھی تک نسبتاً غیر معروف ہے کہ غیر مذاہب کی مذہبی کتب کا نہ صرف مطالعہ بلکہ اس کا استحضار اور بوقت ضرورت اس کا استعمال انھیں تقابل ادیان کے شعبے میں بھی ایک ممتاز مقام کا حامل ثابت کرتا ہے۔

بریلی باسمنڈی کے مولوی سید غلام قطب الدین صاحب پردیسی جی برہمچاری نے ان سے سوال کیا کہ "راما سنگھم نے قرآن عظیم کی تین آیات کا حوالے دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) گنہگار قرار دیا ہے...."

امام صاحب نے ۱۵ دلائل کے ذریعہ اس کا رد فرمایا لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ دلیل نمبر ۷ میں ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید کے ان تراجم کا حوالہ دے کر جو انتہائی مہمل ہیں، یہ ثابت کیا ہے کہ ہر تفسیر معتبر اور ہر مفسر مصیب نہیں ہے کہ کشاف وغیرہ کی۔ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کی بنیاد پر معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ادبی سے گناہ گار کہا جائے۔ امام صاحب کے طرز استدلال کی خوبی یہ ہے کہ راما سنگھم چونکہ آریہ تھا اس لیے اس پر یہ بھی واضح فرمایا کہ دیانند سرسوتی (بانی آریہ سماج) نے ان تراجم کا انکار کر کے اپنے ترجمے کیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کی نظر پر وید کے ایک سے زائد تراجم تھے۔ استدلال نمبر ۷ کے الفاظ ذیل میں قارئین کی نذر ہیں۔

"(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب۔ مشرک کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا ایسا ہی ہے تو وہ لغویات و ہزلیات و فحشیات کہ ایک مہذب آدمی کو انھیں بکتے بلکہ دوسرے آدمی سے نقل کرتے عار آئے جو آریہ کے ویدوں میں اہلی کھلی پھر رہی ہیں اور خود بندگان وید نے اس کے ترجموں میں وہی حد بھر کے گندے گھونے فحش لکھے اون سے آریہ کی جان

کیوں کر چھوٹے گی مثلاً یجر وید میں ایشور کی بیماری کا حال لکھا ہے کہ بستر بیماری پر پڑے پکار رہے ہیں کہ او سیکڑوں طرح کی علم و عقل رکھنے والو تمھاری سیکڑوں ہزاروں طرح کی بوٹیاں ہیں ان میں سے میرے شریر کو نروگ کرو اے اباجان تو بھی ایسا ہی کر۔" نیز یہ بھی فرمارہے ہیں کہ "اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا میں فرزند تجھ کو بہت عمدہ نصیحت کرتا ہوں ماتا جی کہتی ہیں اے لائق بیٹے میں والدہ تیرے گھوڑے گائیں زمین کپڑے جان کی حفاظت و پرورش کرتی تو مجھے نصیحت مت کر۔ اسی یجر وید کے ادھیائے ۳۱ منتر اول میں ایشور کے متعلق ہے اس کے ہزار سر ہیں ہزار آنکھ ہیں ہزار پاؤں ہیں زمین پر وہ سب جگہ ہے الٹا سید ھا تب بھی دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے نیز ویدوں میں اس کا نام سرو بیاپک یعنی ہر شئے میں جاری و ساری ہے یعنی ہر جگہ سمایا ہوا ہر چیز میں رما ہوا ہر خلا میں گھسا ہوا ہے ہر جانور کی مقعد ہر مادہ کی فرج ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور ہی ایشور ہے۔ دیانند نے محض زبردستی انکی کایا پلٹ کی اور انھیں فحش سے نکالا مگر اور مترجموں کا ترجمہ کہاں مٹ جائے گا مفسر تو اپنی طرف سے مطلب کہتا ہے اور مترجم خود اصل کلام کو دوسری زبان میں بیان کرتا ہے ترجے کی غلطی اگر ہوتی ہے تو دو ایک لفظ کے معنی میں نہ کہ سارے کا سارا کلام محض فحش سے حکمت کی طرف پلٹ دیا جائے اور اگر سنسکرت ایسی ہی پیچیدہ زبان ہے جس کی سطروں کی سطریں چاہے فحش سے ترجمہ کردو خواہ حکمت سے تو وہ کلام کیا ہوا۔ بھان متی کا گورکھ دھندا ہوا اور اس کے کس حرف پر اعتماد ہو سکتا ہے معلوم نہیں کہ مالا جپی ہے یا گالی بکی ہے۔"

ویدوں کے مختلف مترجمین اور مفسرین کے اختلافات کے منہ توڑ تذکرے سے اعلیٰ حضرت نے حجت تمام کر دی لیکن یہ سوال و جواب مندرجہ بالا دلیل نمبر ۷ کے ساتھ ۱۵ دلائل پر ہی ختم نہیں ہو گیا حکمت الٰہی کو کچھ اور بھی منظور تھا اور امام صاحب کے بائبل کے مطالعہ کی گہرائی بھی ہمارے سامنے عیاں کرنی تھی۔ مولوی صاحب نے تحریر فرمایا۔ کہ " راما سنگم آریہ سے نصرانی ہو گیا ہے۔ روئے جواب جانب نصاری ہونا چاہیے۔" امام صاحب نے جواباً فرمایا "بحمد اللہ وہ جواب کافی دوانی ہے۔ صدر کلام میں آریہ کی جگہ نصرانی لکھ لیجیے ہاں نمبر ۷ بالکل تبدیل ہو گیا۔ اسے یوں لکھیے ......"

آج کل تو بہت سے مولوی صاحبان بائبل اور اناجیل کے فرق ہی سے واقف نہیں ہیں۔ کبھی کچھ حوالے پڑھ کر نقل کرتے ہیں تو بائبل کی جگہ انجیل لکھ دیتے ہیں اور لاعلم عوام پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھاتے ہیں!۔ کس جگہ لفظ بائبل کا استعمال ہو اور کہاں انجیل۔ یہ اہتمام تو وہی کر سکتا ہے جس نے صرف کچھ ترجے پڑھ کر نقل نہ کر دیے ہوں بلکہ بائبل کی تفصیلات اور باریکیوں سے واقف ہو۔ امام صاحب نے اپنے جواب میں بائبل کا ایک مہمل واقعہ نقل کیا جس میں بیٹے کی عمر باپ سے

زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ درج کرنے میں متی اور لوقا کی اناجیل میں اختلافات کی مثال پیش کی اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انجیل میں یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ وہ توریت کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے، اسی انجیل سے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء کے احکامات کی منسوخی کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت امام نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کی دلیل نمبر ۷ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب نصرانی کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا عربی زبان تو لسان مبین ہے نہ ہر محل قابل تاویل نہ ہر تاویل لائق تحویل کہ ہر شخص جہاں چاہے اپنی خواہش کے مطابق مطلب بنالے اور محل متحمل میں تاویل صحیح کا باب بے شک واسع اور ہر زبان اور ہر قوم میں شائع و ذائع اس کا انکار نہ کرے گا مگر مکابر مفتون اور اس کا اقرار نہ کرے گا مگر دیوانہ مجنوں ہاں بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱، ۲ میں لکھا۔ وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کی اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیا کو اس کی جگہ بادشاہ کیا۔ اخزیاہ ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہو لیا تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں صرف ۲۷ پشتیں ہیں اور اس میں عود بھی گنادیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں۔ ۱۵ پشتیں زائد اور اسماء بھی بالکل نامطابق ایضاً انجیل متی باب ۵ درس ۱۷۔ "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔" درس ۱۸ "کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔" یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جا بجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱، ۳۲ میں ہے۔ یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرتا ہے زنا کرتا ہے۔ ایضاً درس ۳۳، ۳۴ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کرو پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا ایضاً درس ۳۸، ۳۹ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف

بھیر دے۔ ایضاً باب ۱۹ ادرس ۸، ۹ موسیٰ نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ ادرس ۲ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقص و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا۔"

مندرجہ بالا جواب کے بعد حضرت امام نے ۱۵ دلائل میں تین دلیلوں کا مزید اضافہ فرمایا اور وہ بھی بائبل کے حوالوں سے اس کے تضادات کو ثابت کرنے سے متعلق ہے۔

چونکہ رام سنگھم نے آیات قرآنی پر بحوالہ بعض تفاسیر پر اعتراض کیا تھا کہ معاذ اللہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے، اس لیے اس کی رد میں امام صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کا وہ قول نقل کیا جس میں ظاہری الفاظ کے مطابق وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ مجھے نیک مت کہو۔ اس طرح اصل زبان سے ترجمہ کرنے اور مطلب اخذ کرنے میں جو سہو ہوتے ہیں ان کی جانب اشارہ فرمایا۔

پھر شریعت کی منسوخی اور عدم منسوخی پر بائبل میں جو متضاد احکامات پائے جاتے ہیں ان کی تفصیل نقل کی۔

اور آخر میں وہ حصے نقل کیے جن میں مترجمین بائبل اپنے تراجم میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ ملعون بتاتے ہیں۔

امام صاحب کی زبان میں اضافی دلائل قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

"اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجیے (۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہو اور تو سعاً خلاف اولیٰ کو بھی جو ہر گز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لیے لازم ہے نہ کہ وہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہر گز نیک نہیں۔ دیکھو متی باب ۱۹ ادرس ۱۶، ۱۷ ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ ادرس ۱۷، ۱۸ انجیل لوقا باب ۱۸، ۱۹ میں ہے وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہ گار ہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں (۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائبل تو شریعت کو راساً باطل کر رہی ہے۔ گلیتوں کو پولیس کا خط باب ۳ درس ۱۰ وے سب جو شریعت ہی اعمال پر تکیہ کرتے ہیں۔ سو لعنت کے تحت ہیں۔ درس ۱۱ کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا۔ درس ۱۲

شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں اور مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے راست باز و کامل الایمان ہیں تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گنہ گار ہیں کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲، ۱۳ میں ہے ۔ سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی ۔ خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انھوں نے میری شریعت کو ترک کردیا اور اس کے موافق نہ چلے ۔ (۱۸) بلکہ ترک اولیٰ یا کسی صغیرہ کا صدور ریا بد ہونا بھی درکنار بائبل تو مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے خط مذکور باب ۳ درس ۱۳ "مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے لعنت ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا ہو سو لعنتی ہے" والعیاذ باللہ تعالیٰ ۔ ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے اولجھتے ہیں اپنے گریبان میں موہنہ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم او اللہ تعالیٰ اعلم مندرجہ بالا سوال و جواب فتاوی رضویہ کی جلد نہم ص ۷۳ تا ۸۰ درج ہیں ۔

مخالفین بھی استفادہ پر مجبور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے علم اور تفقہ کا اقرار ان کے مخالف اہل عصر کی زبان سے قارئین کے لیے کوئی نئی دریافت نہیں ہے لیکن ان کے طویل القامت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ صرف زبانی اعتراف ہی نہیں روزمرہ کی عملی زندگی میں بھی امام صاحب کی خدمات سے ان کے مخالفین کے لیے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہے ۔ برصغیر ہند و پاک کی ہر مسجد میں نقشہ نظام اوقات صلوۃ سے استفادہ کرنے والے بیشتر حضرات شاید اس سے بے خبر ہیں کہ یہ نظام اوقات امام احمد رضا خاں کی دین ہے ۔

عالم اسلام میں علوم و فنون کی ترقی کے دور میں حیرت انگیز استعداد رکھنے والے ہمارے اسلاف میں کتنے ہی روشن ستارے ایسے ہیں جو بیک وقت اتنے علوم کے ماہر تھے کہ ان کی نظیر مذاہب غیر میں ممکن نہیں لیکن دور زوال میں اگر نظر دوڑائیں ۔ اور اس سے ہرگز باعظمت بزرگان دین کی تقصیر مقصود نہیں ہے کہ ہر ایک کا میدان جدا ہے ۔ تو امام احمد رضا پچھلی کئی صدیوں کی تاریخ میں وہ واحد نام ہے جو بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب نعتیہ شاعری، علم کلام، منطق فلسفہ ہیئت، نجوم، توقیت، جفر، تکسیر، تقابل ادیان، جغرافیہ، سائنس، ریاضی، معاشیات، عمرانیات، لسانیات، الغرض الہیات، ارضیات، فلکیات اور بحریات (ماہرین کے اندازے کے مطابق) کم و بیش ۵۰ علوم کا نہ صرف ماہر تھا بلکہ استحضار کی کیفیت یہ تھی کہ فی البدیہہ حوالے بھی اس کی نوک زبان پر رہا کرتے تھے ۔ (بشکریہ ۔ "یادگار رضا" ۱۹۹۵ء)

امام احمد رضا کی عالمی اہمیت

از:۔ڈاکٹر محمد ہارون ڈائریکٹر رضا اکیڈمی۔برطانیہ
(مترجم:۔ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی۔بریلی)

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی برطانوی ہندوستان کے معروف سنی عالم تھے۔ وہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں انھوں نے وصال فرمایا۔ وہ اپنے دور میں اہل سنت کے امام تھے اور اس قدر عظیم تھے کہ انھیں اسلامی صدی کے مجدد کے لقب سے پکارا گیا۔ اسلامی صدی کا مجدد وہ ہوتا ہے جو اپنے دور کی تمام دنیا میں اہم ترین شخصیت ہو۔ پہلی صدیوں کے مجددین امام غزالی کی طرح کے لوگ تھے۔ جنھوں نے اپنے زمانے میں عظیم ترین اہمیت کے مراتب حاصل کئے۔ مثلاً امام غزالی ہی وہ شخصیت ہیں جن سے یورپ نے فلسفہ سیکھا۔

اس مقالے کا مقصد تمام دنیا کے لیے امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات و نظریات واضح کرنا ہے۔ کوئی بھی شخص دنیا بھر کے لئے اہم ہوتا ہے اگر اس کے ہاں اپنے دور کی دنیا کے اہم ترین مسائل کا حل موجود ہو۔ کارل مارکس یا لینن عالمی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کے افکار و نظریات تمام انسانیت کی رہنمائی کرتے محسوس ہوتے تھے۔ اس مقالے میں ہم ثابت کریں گے کہ امام احمد رضا نے اپنے افکار و تعلیمات سے اس صدی کے اہم ترین مسائل کا حل پیش فرمایا۔ ہماری صدی بھی امام احمد رضا کی صدی ہے اور ہماری دنیا کو بھی اسی طرح کے مسائل درپیش ہیں جس طرح امام احمد رضا کے وقت میں تھے۔ اس لیے امام احمد رضا کی اہمیت آج ہمارے لیے بھی اتنی ہی ہے جس قدر ۱۹۲۱ء میں ان کے وصال کے وقت کے لوگوں کے لیے تھی۔

بہتر ہوگا کہ ہم اپنے مقالے کا آغاز عہد جدید کے مرکزی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش سے کریں۔ یہ جدید دور نئی تہذیب کی کامیابی اور پھر ناکامی کا دور ہے۔ سو سال پہلے سائنس پر بہت گہرا اعتقاد تھا۔ اس وقت سے اب تک ہم سائنس کی تنگ دامانی اور بہتر دنیا کی تعمیر میں ناکامی کا مشاہدہ کر چکے ہیں بلکہ سائنس نے اور بھی نئے خدشات کو جنم دیا ہے جس سے سائنس پر یقین ختم ہو کر رہ گیا ہے اس عہد نے سرمایہ داری کا بحران بھی دیکھا ہے اور سرمایہ داری کے مغربی متبادل کی ناکامی بھی۔ کمیونزم ناکام ہو گیا ہے۔ سفید نسلی تعصب اپنی تمام تر دہشتوں کے ساتھ نازی ازم میں ملاحظہ کیا جا چکا ہے۔ اور یک جماعتی اجتماعیت کے نظریے نے بھی تصور سے کہیں بڑھ کر خوف پیدا کیا ہے۔

جدید زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں جدید ثقافت بھی ناکام ہو گئی ہے یہ عہد یورپ اور بقیہ دنیا دونوں میں جدید ثقافت کی تخریب کا عہد ہے۔ یہ عہد ہر طرف الحاد کے عروج کے ساتھ مذہب کی موت کا عہد ہے۔ بلکہ اس سے بھی اہم دنیا میں موجود مذاہب کے زوال کے سبب مذاہب کے نئے نئے گھٹیا نمونوں کے ظہور کا عہد ہے یہ عہد بھیڑ چال کی ذہنیت، اجتماعی تحریکوں، فرد کی تذلیل کا عہد ہے۔ جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا کہ یک جماعتی اجتماعیت کے ذریعے انسان کی شرمناک کارستانیوں کا عہد ہے۔

حضرت امام احمد رضا بلاشبہ ایک مسلمان تھے اور جدید دور نے ان تمام جدتوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا مسلم دنیا کو خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ جدید دور اسلام، اہل اسلام اور روح انسانی سب کے لئے گہری تاریک رات ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں مغرب نے روایتی مسلم معاشرے کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ اس کی وجہ مسلم سیاسی قوت کا زوال اور ان مسلمانوں کی روحانی سپر اندازی ہے جنھوں نے مغرب کو قبول کیا، اس کی پیروی کی، اس کی ستائش کی اور اس کی پرستش کی۔ یوں دنیا سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور معدوم ہو گیا اور متعصب، لادینیت اور دہریت نے اس کی جگہ لے لی۔ اس سے وہابیت، اسلامی جدیدیت اور پھر بنیاد پرستی نے جنم لیا۔ یہاں اسلام دین کی حیثیت سے ختم ہو گیا اور جدیدیت کی صورت میں مغرب کی بھونڈی تقلید اور بنیاد پرستی کی صورت میں کمیونزم اور فاشزم طرز کی سماجی و سیاسی تحریک اس کی متبادل بن گئی۔ روایتی معاشرہ تباہ ہوا اور اسکی جگہ مغرب سے در آمد شدہ نوآبادیاتی، نسلیت پرستی اور سرمایہ دارانہ معاشرہ آگیا۔ اور پھر جب مغرب خود ہی ناکام ہو گیا تو اب ہم ان تمام کھنڈرات کے بیچ کھڑے ہیں جنھیں مغرب نے کمیونزم سے فاشزم، فاشزم سے نیشنلزم اور نیشنلزم سے کیپٹلزم Capitalism کی شکل میں تعمیر کرنے کی کوشش کی۔

کوئی بھی شخصیت جو عالمی حیثیت کی حامل ہو وہی شخصیت ہو سکتی ہے جو دور جدید کی خوفناک شکستوں اور ناکامیوں میں انسانیت کی رہنمائی کی اہلیت رکھتی ہو۔ حضرت امام احمد رضا کی زندگی کے اصل کام کو اختصار سے بیان کرنا بہت آسان ہے۔ انھوں نے تمام عمر اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام اور اسلامی سوسائٹی کا جدید دنیا کے حملوں کے خلاف دفاع کیا۔ خاص طور پر ان اندرونی حملوں کے خلاف جو ان مسلمانوں کی طرف سے تھے جن کا مقصد اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام سے جان چھڑا کر ایک نئی چیز کو رائج کرنا تھا۔ اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام اور اسلامی سوسائٹی کے دفاع کی کاوشیں ہی امام احمد رضا کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

یہ عالمی اہمیت امام احمد رضا کے عالم دین ہونے اور سنی عالم کی حیثیت سے کام کرنے سے شروع ہوئی۔ انھوں نے زندگی بھر ایک عالم ہی کی حیثیت سے کام کیا۔ انھوں نے ہر اس شخص کے

سوالوں کے جواب دیئے جس نے ان سے رابطہ کیاان کا کردار اسلام کا گہرا علم رکھنے والے ایک دانش ور کا کردار تھا۔ انھوں نے بطور ایک روایتی اسلامی اسکالر کی تعلیم پائی تھی اور اس میں بھی بے پناہ وسعت تھی۔ وہ مختلف علوم میں ماہر تھے۔ جن میں اسلامی مذہبی علوم و فنون کے علاوہ ریاضی اور فلکیات بھی شامل تھے۔ ایک متبحر تعلیم یافتہ عالم کی حیثیت سے محض تحقیق طلب سوالوں کے جواب لکھ کر دنیا کو متاثر کرنا شاندار اہمیت رکھتا ہے۔ آج کل اجتماعی تنظیم سازی کا ایسا دور ہے جس میں وسیع دفتری نظام نے فرد کو نگل لیا ہے امام احمد رضا نے اس طرز پر کام کرنے سے انکار کیا۔ ان کے دور میں اجتماعی تحریکیں ابھرنا شروع ہو چکی تھیں۔ مگر وہ کسی کے قریب تک نہ گئے۔ انھوں نے کبھی بھی ایک بیوروکریٹ Bureaucrat سیاستداں یا منتظم بننے کی خواہش نہ کی۔ اس اجتماعی تنظیم سازی کے تصور کو حسن البنا اور مودودی کی طرح کے لوگ اسلام میں داخل کرنے کا سبب بنے۔ امام احمد رضا نے شروع دن ہی سے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے اجتماعی تحریکوں مثلاً تحریک خلافت، تحریک ترک موالات وغیرہ میں شمولیت سے انکار کیا اور ان تحریکوں کے رد کے لئے خود کوئی اجتماعی تحریک ترتیب دینے سے بھی مجتنب رہے۔ آج کے جدید دور کا انسان اندر سے مر چکا ہے کیونکہ آج اچھے فرد کی مانگ نہیں رہی بلکہ محض اجتماعیت کا کل پرزہ ایسا فرد درکار ہوتا ہے۔ جو نعرے لگائے اور جس طرح اسے کہا جائے عمل کرتا رہے۔ امام احمد رضا نے بتایا کہ عصر جدید میں فرد کو یوں مرجانے کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے عالمانہ رائے دیتے ہوئے بڑی سادگی سے اپنا کام کیا۔ ہٹلر، اسٹالن اور اجتماعی تشہیر کے اس دور میں آج بھی اچھے فرد پر بھروسہ کرنے کی عالمی اہمیت ہے۔ یہ دور حکمت و دانائی کی موت اور شعبہ جاتی تخصیص کا دور بھی ہے۔ پہلے زمانے کے مقابلے میں آج ایک طالب علم کم سے کم شئے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا ہے۔ یونیورسٹی ایسی جگہ قرار پائی ہے جہاں پروفیسر بھی اپنے چھوٹے سے مخصوص مضمون کے بارے میں کافی علم نہیں رکھتا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں حکمت و دانش کا کوئی پروفیسر نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنے ماضی سے کٹ چکے ہیں۔ کسی بھی روایتی تعلیم یا علم کا وجود باقی نہیں رہا۔ اب پڑھا لکھا طبقہ سابقہ ادوار کے روایتی علوم اور حکمت و دانش کو چھوئے بغیر محض اپنے محدود مضامین کا مطالعہ کرتا ہے۔ ایک ماہر فلکیات صرف فلکیات کا علم رکھتا ہے۔ اسے اس حکمت و دانش کی ذرہ بھر خبر نہیں ہوتی جو دو سو سال قبل کے ماہر فلکیات کو حاصل تھی۔

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی اس علمی روایت کو لے کر سامنے آئے جو مغرب میں اپنی موت مر چکی ہے۔ ان کا مقصد علم کو ممکنہ حد تک وسیع کرنا تھا۔ ایسا علم جس کا محور اسلامی فنون سے

پھوٹنے والی دانش و حکمت تھی ۔ ایسا علم جس کا ایک ہزار سالہ قدیم روایت سے گہرا رابطہ تھا ۔ امام احمد رضا اپنی کتابوں میں ایک ہزار سال پہلے تک کے مصنفین کے حوالے دیتے تھے ۔ آج کے دور میں تو صرف قرون مکالمہ سے متعلق علوم کے ماہر خشک پروفیسری اس طرح کے حوالے دے سکتے ہیں ۔ امام احمد رضا خاں بریلوی فلکیات ، سیاسیات بلکہ بینکاری اور کرنسی تک کے سوالات پر بھی سیر حاصل عالمانہ رائے دے سکتے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ روحانی وجدان سے متعلق مشکل ترین سوالات پر بھی تبصرہ و تجزیہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے ۔

بلاشبہ امام احمد رضا اپنے دور میں صدیوں پرانی اسلامی ثقافت کا دفاع کر رہے تھے ۔ آج کی ثقافت تو بالکل بے بنیاد ہو کر رہ گئی ہے ۔ ادب اور آرٹ کا ماضی کی روایات سے رابطہ منقطع ہو چکا ہے ۔ آج یورپی مصوری اور شاعری پچاس سال پہلے کی روایت کی پاسداری بھی نہیں کر رہی ۔ جبکہ امام احمد رضا نے قدیم زمانوں تک کی فنی روایت کو نبھایا ہے ۔ یہ پوری انسانی تاریخ سے کشید شدہ مکمل ثقافت تھی اسی وجہ سے امام احمد رضا کی عالمی اہمیت ہے ۔

امام احمد رضا نے طب میں بھی دل چسپی لی ۔ طب جدید کا بڑا قصور یہ ہے کہ اس کا طب کی قدیم روایت سے کوئی سابقہ نہیں رہا ۔ اور یہ حکیم و دانا انسانوں کی بجائے تنگ نظر سائنس دانوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے ۔

امام احمد رضا محض ایک دانا اور ذہین عالم دین ماہر فنون اور طبیب ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے تمام تر قدیم روایتی حکمت و دانش کو اندرونی و بیرونی حملوں سے بچایا ۔ شاید دنیا کے لئے امام احمد رضا کی سب سے بڑی اہمیت اسی بات میں تھی کہ انھوں نے (مضرت رساں) سائنس کی مخالفت کی ۔

امام احمد رضا کی زندگی کے اکثر دور میں سائنس کی پرستش ہوتی تھی ۔ یہ نیوٹن اور ڈارون پر مکمل ایمان کا دور تھا ۔ حضرت امام احمد رضا کی زندگی کے آخری ایام کے قریب آئن اسٹائن کے انقلاب نے سائنس کی پرستش کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کیے ۔ خاص طور پر مسلم دنیا ہی میں سائنس کی پرستش ہوتی تھی اور سائنس ہی کو مغربی تسلط کی وجہ گردانا جاتا تھا ۔ اسی سائنس کی مدد سے سفید فام اقوام نے نو آبادیات کے لوگوں پر قابو پا رکھا تھا ۔ سائنس کی پرستش میں بہت سے مسلمان بھی شامل تھے اور ان مسلمانوں میں سرسید احمد خاں جیسے لوگوں نے اسلام کو اس طرح تبدیل کرنے کی کوشش کی کہ اسلام سائنس کے بارے میں مغرب کے نظریات کے مطابق ڈھل جائے ۔ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے اس سے بھی زیادہ کچھ کیا ۔ انھوں نے سائنس ہی کو مسلمانوں پر استبداد و مسلط ہونے کی وجہ قرار دیا ۔ مسلمان سائنس پرست نہیں تھے ۔ انھیں سائنس پرست بننے پر

مجبور کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے کہیں آزادی نہ ہو اور سائنس کے نام پر مسلمانوں کی مرضی کے بغیر مغربی ماہرین اور "نام نہاد جدید مسلم ماہرین" ہر جگہ حکومت کریں۔

یقیناً آج ہم جانتے ہیں کہ یہ سائنس زیادہ تر حماقت ہے۔ امام احمد رضا کے وقت سائنس سخت نسلیت پرست تھی اور ۱۹۲۱ء میں ان کے وصال کے وقت اسی سائنس نے مغرب میں کمیونسٹ اور فاشسٹ استبداد کا جواز فراہم کیا تھا۔ سائنس کی پرستش کے تباہ کن منطقی نتائج آج اچھی طرح سمجھے جا رہے ہیں خاص طور پر مسلم دنیا نے سائنس کے ہاتھوں خوفناک نقصانات اٹھائے ہیں۔ ان نقصانات میں سے ایک نقصان سائنس کو ہر غلطی سے مبرا سمجھنے والی سوویت وسطی ایشیا کی کمیونسٹ رجیم کے ہاتھوں ماحول کی مکمل تباہی کا سانحہ ہے۔ آج ساری دنیا سائنس سے منہ موڑ کر اس روایتی قدیمی حکمت و دانش کی طرف رجوع کر رہی ہے جو دنیا پر سائنس کی حکمرانی سے قبل موجود تھی۔ لیکن امام احمد رضا نے آج سے سو سال قبل سائنس کے خلاف جہاد کیا۔ اگر آپ سائنس پر امام احمد رضا کی تصانیف کو پڑھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ انھوں نے سائنس دانوں کی کس قدر تذلیل کی ہے۔

امام احمد رضا کے نزدیک قرآن اور اسلام ہی کامل سچائیاں ہیں اور کسی بھی طرح ان کی تردید کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر کبھی سائنس دانوں نے ایسا کیا بھی تو حضرت امام احمد رضا نے ان کے دلائل کو اسلامی دلائل سے رد کیا اور ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ امام احمد رضا نے ان سے بیوقوف بچوں کے ٹولے ایسا سلوک کیا۔ اگرچہ امام احمد رضا کسی طور بھی عام سائنس داں نہیں تھے۔ مگر وہ ریاضی اور فلکیات اتنی اچھی طرح جانتے تھے کہ رات کو آسمان دیکھ کر گھڑی کا وقت درست کر سکتے تھے۔ وہ مغربی سائنسی نظریات سے بھی آگاہی رکھتے تھے۔ انھوں نے سیاروں کے جھکاؤ کی بناء بڑی تباہی کی پیشن گوئی کرنے والے ایک مغربی ماہر فلکیات کا جواب لکھا۔ اور اپنے جواب میں انھوں نے مکمل طور پر آسمانوں اور کشش ثقل سے متعلق مغربی نظریات کو بنیاد بنایا اور صحیح طور پر پیشن گوئی فرمائی کہ کوئی تباہی نہیں آئے گی۔ اور ان کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کا نظریہ تھا کہ سائنس صحیح ضرور ہے مگر محدود ہے اور اسے کسی طرح بھی اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جز یا اسلامی قانون سے گلو خلاصی کے لئے اس کی کوئی دلیل مانی جا سکتی ہے۔ اگرچہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تو آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے۔ یہی ان کی عالمی اہمیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ امام احمد رضا کے نزدیک کسی بھی روایتی حکمت و دانش کو ترک نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ

سائنس کو چاہیے کہ وہ حکمت و دانش کی رقیب یا متبادل بن کر نہیں بلکہ ہمیشہ اس کی خادم بن کر رہے ایک سو سال بعد اب یہی صورت حال ہے جس کی طرف خود مغرب بھی رجوع کر رہا ہے۔ جیسا کہ سبز سیاست اور سبز تحریک سے ظاہر ہے لیکن اسلامی دنیا میں اب بھی ہر جگہ استبداد کی مدد کرنے والی نشہ انگیز سائنس کی احمقانہ پرستش جاری ہے۔ مغرب اب جان گیا ہے کہ اسٹالن کے جبر اور ہٹلر کے نسلی تعصب کے پیچھے سائنس کا کیا کردار تھا۔ اسی لیے مغرب نے سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھنا شروع کر دیا ہے۔ امام احمد رضا اس وقت ہی سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھ رہے تھے۔ جبکہ ابھی اس قدر نقصان نہیں ہوا تھا۔ وہ سائنس کو اس کے مقام پر رکھتے تھے جس کی وہ اصل تھی۔ روایتی حکمت و دانش ابھی زندہ تھی اور وہ خود بھی روایتی دانش سے لبریز تھے۔ وہ صحیح تھے اور مغرب غلطی پر تھا۔ ہاں! مغرب کے اپنی غلطیوں کے اعتراف سے سو سال قبل۔

اپنی زندگی میں امام احمد رضا نے سائنس دانوں کی حماقتوں کا جواب دینے کی جد و جہد فرمائی۔ لیکن بلاشبہ احمق یوروپیوں کی پوری دنیا کے مقابل وہ یکہ و تنہا تھے۔ تاہم انھوں نے سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کے لئے مسلمانوں کو ضروری کام پر لگا دیا۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سب سے بڑا چیلنج سائنس کی پرستش اور اس کا وہ طریقہ تھا جس سے وہ اسلامی حکمت و دانش کو دھمکا رہی تھی۔ امام احمد رضا کے زمانہ کے مقابلے میں آج ہم سائنس کو چیلنج کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہیں کیونکہ آج مغرب میں بہت سے لوگ خود ہی سائنس کی محدودیت کو جان گئے ہیں۔ حضرت امام احمد رضا سائنس کے مقابل اسلام کا دفاع کرنے اور سائنس کی حدیں واضح کرنے کی کاوشوں کی وجہ سے عالمی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں۔ صرف امام احمد رضا کے طریق کو اپنا کر ہی مسلم دنیا اپنے تباہ کن ماضی اور حال سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔

حضرت امام احمد رضا ایک اور سادہ طریقے سے بھی عالمی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک آفاقی شخصیت تھے۔ جدید دور سخت نیشنلزم اور نسلیت پرستی کا دور ہے لیکن امام احمد رضا چونکہ مسلمان تھے اس لئے کوئی ملک یا براعظم ان کا وطن نہیں تھا۔ پوری اسلامی دنیا ان کی مادر وطن تھی۔ ان کی شہرت ساری اسلامی دنیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ خود مکہ معظمہ میں بھی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انھوں نے اسلام کی بین الاقوامی ثقافت کا تصور دیا۔ وہ تمام لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ انھوں نے بشمول انگریزی بہت سی زبانوں میں استفتاء کے جواب لکھے۔ وہ ہمیشہ اس زبان میں جواب دیتے جس زبان میں سوال پوچھا جاتا تھا۔ آج کے دور میں خواتین و حضرات کتنے ہی زیادہ ہوں جب ایک ہی ملک، ایک ہی گروہ یا ایک ہی نسل کی طرف دیکھتے ہیں تو بڑا عجیب لگتا ہے حتیٰ کہ عالمی شہرت کا گلوکار

بھی آفاقی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض امریکی کہلاتا ہے۔ امام احمد رضا ایک آفاقی شخصیت تھے کیونکہ وہ ایک سنی مسلمان تھے اور ان کا مقصد اہل سنت کے نظریات و عقائد کے مطابق اسلام کا دفاع تھا۔ اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام ہی تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ آفاقی ہے۔ عیسائیت کا مرکز سفید فام نسل ہے۔ کیتھولک عیسائیت کا مرکز اٹلی ہے جبکہ اہل سنت کے مراکز بہت سارے ہیں۔ اپنی تمام تر قدیم روایات کے ساتھ عرب، ترکی، وسط ایشیا، انڈیا، مصر یا اسی طرح کے دیگر ممالک وغیرہ۔ امام احمد رضا کا پیغام آفاقی پیغام ہے وہ کہتے ہیں کہ عالمی اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ جو تمام ملکوں، تمام نسلوں اور تمام قوموں میں موجود ہے۔

کس قدر اہم پیغام ہے یہ دنیا بھر کے لیے!!

آج ہم مرگ مذہب کے دور میں رہ رہے ہیں۔ مذہب کو سائنس کے مطابق اور جدید بنانے کی کاوشوں نے مذہب سے روحانیت کو نکال باہر کیا ہے۔ سچی روحانیت بالکل ختم ہو گئی ہے اور مذہب بھی محض سیکولر مقاصد کے لئے رہ گیا ہے اسی طرح صیہونیت اور یہودیت ہر طرح سے نازی ازم کی طرح مذہب سے ایک غلبہ پسند نسلیت پرست تحریک میں تبدیل ہو گئی ہے۔ عیسائیت میں مذہب دائیں بازو کی انتہا پسند سیاست کی مدد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ جیسا کہ سیاسی کیتھولک طریقہ یا جیری فال ویل کی انتہا پسند امریکی پروٹسٹنٹ بنیاد پرستی۔ سری لنکا میں بدھ مت کے پیروکاروں میں مذہب نے نیشنلزم کی صورت اختیار کر لی ہے اور مسلم دنیا میں اسلام ایک معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی تحریک میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جیسے حسن البناء، مودودی اور خمینی کی سیاست میں اسلام کو کمیونزم اور فاشزم کے نمونے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ ان تمام صورتوں میں روحانیت غائب ہو جاتی ہے لوگ خدا پر نہیں قوت اور طاقت پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں۔ صیہونیوں کی اصل امید امریکہ اور الیف ۱۶ پر ہے۔ وہ دعا کی بجائے اجتماعی پروپیگنڈا اور اجتماعی تنظیم سازی پر یقین رکھتے ہیں۔ حضرت امام احمد رضا کی ساری تگ و تاز اس لیے تھی کہ کسی طرح روحانیت زندہ رہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں وہ کسی بھی صورت میں اسلام کو سائنس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس سے زیادہ اہم ان کی وہ کاوشیں ہیں جو انھوں نے اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام کے روحانی اشغال کے دفاع کے لیے جاری رکھیں۔ انھوں نے صوفی ازم یا اسلامی تصوف کے دفاع کے لئے سخت محنت اٹھائی اسلامی روحانیت کی بنیاد وہ مسلم درویش اور اولیاء کرام ہیں جن کا سلسلہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے جاملتا ہے۔ ان صوفیائے کرام کا ایک دوسرے سے اور ماضی بعید کے صوفی سلاسل سے گہرا ربط ہوتا ہے اور اس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک صوفی ازم کا علم و عمل منتقل

کرتے ہوئے وہ ایک زنجیر یا سلسلہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ امام احمد رضا تمام اہم صوفی سلاسل میں مرید تھے اور خود بھی ایک بلند پایہ صوفی اور شیخ تھے۔ انھوں نے خود اور ان کے پیروکاروں نے تصوف کی تمام روایات پر عمل کیا۔

امام احمد رضا کی تحریروں میں جو ۱۹۲۱ء ان کے سن وصال تک لکھی جاتی رہیں، ہم اسلامی تصوف اور روحانیت کی ۱۴ سو سالہ روایات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ مذہب کی تمام علمی دولتیں انہی کے دم سے ہیں وہ ایک جدید صوفی سے کہیں برتر و بالا ہیں۔ انھوں نے پوری دنیا کو اپنی پلیٹ میں لیتی۔ "مرگ مذہب" کے خلاف پوری قوت سے اسلام کا دفاع کیا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے متعصب اور نشہ میں ڈوبے سائنس دانوں کے خلاف جہاد کیا۔ اور ہاں یہی وجہ تھی کہ انھوں نے وہابیوں کے خلاف جدوجہد کی۔ امام احمد رضا خاں عصر جدید کے تمام حملوں کے خلاف مذہب کے زبردست محافظ تھے۔ انھوں نے ایک بھرپور تحریک کی رہنمائی فرمائی تاکہ اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام اپنا کام جاری رکھ سکے۔ تنہا یہی کام امام احمد رضا کو عالمی اہمیت کی حامل شخصیت بنا دیتا ہے۔

بہت سی تقاریب اسلام اور اسلامی تصوف میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت (میلاد النبی) کی تقریبات، بزرگان دین کے مزارات یا دیگر مقامات پر ان کے عرسوں کی تقاریب وغیرہ۔ اس سارے تصوف اور مذہب کے ساتھ تمام طرح کی عبادات اور تقریبات کی مضبوط روایت وابستہ تھی۔ امام احمد رضا نے اس ساری روایت کی بھرپور حفاظت فرمائی۔ انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ عصر جدید کو تصوف اور مذہب کی شاندار علمی دولت پر ڈاکہ نہیں ڈالنے دیں گے۔ مرگ مذہب کے خلاف یہ جدوجہد بجا طور پر عالمی اہمیت کی حامل ہے۔ صیہونیت، عیسائیت، بدھ مت اور اسلام میں مذہب کی موت کے نتائج ہم ملاحظہ کر چکے ہیں۔ آج ہم جانتے ہیں کہ ہوشمندی اور عقل و شعور کا ایک ہی راستہ ہے کہ مرتے ہوئے مذہب کو پھر سے زندہ کر دیا جائے۔ انسانیت کے لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر خدا، حیات بعد از موت اور یوم حساب پر یقین کامل پیدا کریں۔ طاقت کی پرستش اور اس اخلاقی کج رو کا جس میں انسانیت گزشتہ صدی سے گزر چکی ہے فقط یہی ایک علاج ہے۔

لیکن صحیح مذہب کو کہاں تلاش کریں! مذہب میں تو تحریفات ہو چکی ہیں۔ بشپ آف ڈرہم (Bishop of Durham) جیسے لوگوں کو ماننے والی عیسائیت کیسے یاد کرے کہ حقیقی مذہب کیسا تھا۔ لیکن ہمارے پاس امام احمد رضا اور ان کی رہنمائی میں چلنے والی سنی تحریک موجود ہے۔ ہم ان کے پیروکاروں اور ان کی تعلیمات کے ذریعہ جان سکتے ہیں کہ حقیقی مذہبی زندگی کیسے گزاری جاتی ہے

اور حقیقی روحانیت کیا ہوتی ہے۔
سائنس، قوم پرستی، نسلیت پرستی اور اجتماعیات کے جدید عہد میں حقیقی مذہب کا دفاع اور حفاظت ہی امام احمد رضا کی عالمی اہمیت ہے۔
امام احمد رضا خاں بریلوی کی دیگر تمام خصوصیات مذہب کی موت کے خلاف ان کی دفاعی جدوجہد، ان کی طرف سے سائنس کی مخالفت، ان کی آفاقیت اور روایتی آرٹ کے تحفظ کے عالمانہ کردار سے نمایاں ہوتی ہیں۔ اور ان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وقت نے انھیں صحیح ثابت کر دیا ہے کیونکہ آج سب نے روایتی مذہب کو ترک کرنے، سائنس کے پیچھے بھاگنے اور سائنس کی تبلیغ کی غلطی کو جان لیا ہے۔
یقیناً امام احمد رضا نے عمومی مذہب کا دفاع نہیں کیا بلکہ انھوں نے اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام کا دفاع کیا۔ اور دنیا کے لئے ان کی اصل اہمیت اسی میں تھی کہ انھوں نے اسلام کے دفاع اور تحفظ کے لئے کام کیا۔ امام احمد رضا کی عالمی جدوجہد ان کی بھی جدوجہد ہے۔ جس کے ذریعے انھوں نے اسلام کا دفاع کیا اور اسے آج کے دور کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے محفوظ رکھا۔
انیسویں صدی میں زوال اقتدار کی وجہ سے اسلام کو بیرونی حملوں کا خطرہ درپیش تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام کو اندرونی حملوں سے بھی خطرہ تھا۔ مسلمانوں میں اعلیٰ معاشرتی مقام کے حامل بہت سے لوگوں نے سوچا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ انھوں نے سوچا کہ وہ مسلم برادری کو چھوڑ کر یورپیوں اور امریکیوں جیسے غیر مسلم معاشرے میں اچھی زندگی گزار سکیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس طرح کرنے کے لیے انھیں اسلام کو مغربی نظریات کے مطابق ڈھالنا پڑے گا۔ روایتی اسلامی طرز زندگی کو چھوڑ کر مغربی طرز زندگی کی تقلید کرنا پڑے گی۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسلام کو یوں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ جدید مغربی سائنس کی پرستش سے مطابقت پیدا کر سکے۔ اسلام میں مذہبیت کم ہو جائے اور وہ جدید مغربی نظریات کے مطابق ڈھل جائے۔ اب یہ سب کچھ کرنے کے لئے ان (نام نہاد) مسلمانوں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کو گھٹانے کی ضرورت تھی۔ ان کے معجزات کا انکار درکار تھا۔ ان کو کسی خاص روحانی قوت سے محروم ایک عام انسان کی سطح تک گھٹانا مقصود تھا تاکہ مغربی سائنس سے ہم آہنگی ہو سکے۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام کم کیا گیا تو ان سائنس پرست مسلمانوں کا درجہ بزعم خویش بلند ہو گیا۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اسلام کو تبدیل کرانے کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے۔ اب ان تمام ضرورتوں نے ان مسلمانوں کو وہابیت کے راستے پر ڈال دیا۔ وہابیت

اسلام کی مجنونانہ تعبیر ہے۔ جسے اٹھارویں صدی میں ابن عبد الوہاب نجدی نے پروان چڑھایا۔ وہابیت خالص مذہبیت اور خصوصاً روایتی تصوف کو اتار کر دور پھینکنے اور اجتہاد کا دروازہ کھولنے کے کام آسکتی تھی۔ اجتہاد کا مطلب یہ تھا کہ اسلام کو مغربیت میں ڈھالنے کے خواہش مند ان مسلمانوں کی مرضی کے مطابق اسلامی قانون کو دوبارہ لکھا جائے تاکہ وہ غیر مسلم سوسائٹی میں اچھی نوکریاں حاصل کر سکیں۔ اس طرح امام احمد رضا کے دور میں اسلام کی شکست و ریخت کا عمل شروع ہو گیا۔ اولاً اہل سنت کے عقائد کے مطابق روایتی اسلام پر حملہ کیا گیا اور اسے کم تر بنایا گیا۔ اور پھر برطانوی حکومت میں اعلیٰ مناصب کے خواہاں سر سید احمد خاں جیسے لوگوں نے اسلامی جدیدیت کو رواج دیا اور بعد ازاں مغربی سرمایہ داری کی تقلید محض کرنے والے اور حکمرانی کی تمام قوت اپنے ہاتھوں میں رکھ کر مسلم دنیا میں سرمایہ دارانہ تشکیل دینے والے اسلامی جدت پسندوں نے اس جدیدیت کو مزید پروان چڑھایا۔ اور جب یہ اسلامی جدیدیت ناکام ہو گئی تو پھر کمیونزم اور فاشزم کی نقل کی صورت میں وہابیت ابھر آئی۔ فاشزم اسلامی بنیاد پرستی ہے جو ایران اور دیگر ممالک میں مکمل ناکامی اور تباہی پر منتج ہوئی ہے۔

آج ہم ایسے دور میں رہ رہے ہیں جس میں مغرب کے بہترین دوست سعودی حکومت کے سانحے، مسلم دنیا میں تمام تر کوششوں کے باوجود اسلامی جدیدیت کی ناکامی کی مصیبت، اور آج کے دور میں بنیاد پرستی کی آفت کی صورت میں وہابیت اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ بنیاد پرستی کی آفت شاید ابھی مستقبل میں بھی باقی رہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی نے بہت آغاز ہی میں ان تمام غلط راستوں کی نشاندہی اور بھرپور مخالفت کی تھی۔ وہ مغرب اور سائنس سے کوئی رو رعایت نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے تمام عمر وہابیت کے خلاف جدوجہد میں صرف کی۔ انھوں نے سر سید جیسے لوگوں کی سخت مخالفت کی۔ انھوں نے ہر اس شخص کی مخالفت کی جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کو گھٹانے کی کوشش کی۔ امام احمد رضا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بھی طرح کی تنقید کرنے یا ان کی عظمت و کمال میں کوئی بھی شک پیدا کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کیا۔ انھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و کمال کو گھٹانے والے وہابی تراجم قرآن کے مقابلے میں اردو زبان میں قرآن حکیم کا بہت ہی خوبصورت ترجمہ پیش کیا۔

حضرت امام احمد رضا نے اسلام کے ان تمام غداروں کی سیاسی اسکیموں کی مخالفت کی جو اسلام کو اپنی قوت بڑھانے کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ان دیوبندیوں اور وہابیوں کو خوب خوب ہدف تنقید بنایا جو سیکولر انڈیا میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کی آس لگائے

بیٹھے تھے۔ امام احمد رضا نگاہ بصیرت سے ملاحظہ فرما چکے تھے کہ یہ تمام کوششیں اشمالیت اور وسیع قتل عام پر منتج ہوں گی کیونکہ ہندو کبھی بھی حقیقی اقتدار میں ان وہابی مسلمانوں کی شراکت پسند نہیں کریں گے۔ امام احمد رضا نے ان وہابیوں کی عوامی سیاست پر سخت تنقید کی جو اعلیٰ مناصب کے حصول کی اسکیموں میں مدد کے لئے مسلمانوں کو محض ووٹروں کے گلّے میں بدل دینا چاہتے تھے۔

امام احمد رضا نے باب اجتہاد کھولنے کی کسی بھی کوشش کی بھرپور مخالفت کی۔ وہ کسی کو بھی اپنی ذاتی قوت کے حصول کے لئے اسلام کے نام کا استعمال یا اسلام میں تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے تھے

ان سب باتوں سے بڑھ کر امام احمد رضا نے حقیقی اسلامی برادری کے تحفظ کی کوشش فرمائی۔ روایتی اسلامی سوسائٹی اگرچہ پیچیدہ تھی مگر اس کی بنیاد ناقابل تبدیل شریعت، شریعت کے محافظ اور مسلمانوں کے رہبر علماء کرام کے نظام، مزارات، خانقاہوں، زاویوں اور مشائخ کرام کے ساتھ صوفی سلاسل کے مکمل وجود اور میلاد کی طرح کی تقریبات پر تھی۔ یہی سوسائٹی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسند کے مطابق ڈھلی ہوئی سوسائٹی ہے۔ اور امام احمد رضا نے اسی کے دفاع کی کوششیں فرمائیں۔ انھوں نے بلاشبہ وہابیوں سے اس اسلامی سوسائٹی کو بچایا اور بہت سے ایسے دوسرے لوگوں سے بھی جو علماء سے جان چھڑا کر مودودی کی طرح کے صحافی اور سیاستدانوں کو نگران بنانا چاہتے تھے تاکہ تصوف کے سلاسل کو مکمل طور پر تباہ کیا جاسکے۔ اپنی جگہ امام احمد رضا کے وقت ہی سے ان لوگوں نے سرمایہ داری یا اشتراکیت کے نمونے پر ایک خوفناک سوسائٹی تشکیل دے لی تھی۔ جس پر انہی کی حکومت تھی۔ جس کا انہی کو، ان کے خاندان کو اور ان کے دوستوں کو فائدہ تھا اور اس " سائنس پرست " سوسائٹی سے چھٹکارے کی کسی بھی کاوش کو دبانے کے لئے انھیں ہر جگہ خفیہ پولیس کی ضرورت تھی۔

حضرت امام احمد رضا نے یہ بھی رہنمائی فرمائی کہ مسلم برادری آج کی دنیا میں کس طرح حقیقی معنوں میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس کے لئے انھوں نے ۱۹۱۲ء میں چار نکاتی پروگرام کا خاکہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو معاشرے کے اندر اپنا ایک الگ معاشرہ بنانا چاہیے اور اس الگ تھلگ معاشرہ میں انھیں اہل سنت کے عقائد کے مطابق اسلام کی روایتی سوسائٹی کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے انھیں اپنے تنازعات آپس ہی میں طئے کرنا چاہیے تاکہ برادری کو اپنے رہنما میسر آسکیں۔ انھیں خرید و فروخت بھی آپس ہی میں کرنا چاہیے تاکہ مسلم برادری کے افراد ایک دوسرے سے قریب تر ہو سکیں اور مسلمانوں کو رہنے کی جگہ میسر آسکے۔ دولت مند مسلمانوں کو اپنی بچتیں (Savings) سرمایہ کاری میں لگانا چاہیے تاکہ معاشرے کے اندر مسلم معاشرہ پھلے پھولے اور ترقی

کر سکے۔ مسلمانوں کو اسلامی علوم حاصل کرنا چاہیے اور اس کی تجدید کرنا چاہیے تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام میں پختہ تر بن کر ابھر سکیں۔

یہی وہ راستہ تھا جس پر چل کر مسلمان غیر مسلم سوسائٹی میں ڈھلے بغیر تمام روایات سمیت اپنی سوسائٹی کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ اس طریقے سے خوفناک نسلیت پرستی اور اشتمالیت سے بچا جا سکتا تھا۔

حضرت امام احمد رضا اور دیگر لوگوں نے اس مذکورہ منصوبہ بندی پر عمل کیا جس سے اسلام اور اہل سنت کی روایتی سوسائٹی بیسویں صدی کے تمام تر خطرات کے باوجود زندہ رہی۔ آج تمام جدت پسندوں اور بنیاد پرستوں کی ناکامی کے بعد اس منصوبے کی صحیح عظمت کھل کر سامنے آرہی ہے جدت پسندوں اور بنیاد پرستوں نے مسلم دنیا میں کوئی پائیدار تعمیر نہیں کی۔ اور غیر مسلم بھی اچھی سوسائٹی تشکیل دینے میں ناکام رہے ہیں۔ کمیونزم، فاشزم بھی دونوں ناکام ہوئے ہیں۔ حتی کہ اعتدال پسند سوشلزم کے فوائد بھی معدوم ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اب مغرب دوبارہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرف لوٹ رہا ہے اور اب دنیا ان تمام سائنسی منصوبوں اور خود سائنس کی ناکامی کو محسوس کر رہی ہے۔ دریں حالات امام احمد رضا کی عالمی اہمیت اور بھی نمایاں ہو رہی ہے۔ انھوں نے جدید منصوبوں پر اس وقت تنقید کی تھی جب وہ نئے تھے اور ابھی ناکام نہیں ہوئے تھے۔ آج وہ سب کے سب غلط اور امام احمد رضا کے نظریات صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ اگر امام احمد رضا کے اصولوں پر عمل کیا جائے تو اگلی صدی میں اسلام اور اہل سنت ہی کامیاب رہیں گے۔ اور یہ سب کچھ ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ ہے۔

حضرت امام احمد رضا کا وقت آج شروع ہوا ہے۔ ہم اسلام دشمن اور غیر اسلامی حکومتوں اور معاشروں میں رہ رہے ہیں۔ اور رہ رہے ہیں اس دنیا میں جس کا مذہب سے رابطہ کٹ چکا ہے۔ امام احمد رضا کی حیات ہمارے لیے ایک مثالی نمونہ ہے کہ ہم کس طرح رہیں، عمل کریں اور اس خوفناک دنیا کا مقابلہ کریں۔

اب تک آپ نے ان تمام پہلوؤں کو ملاحظہ کر لیا جس کے سبب امام احمد رضا ہمارے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے تمام باطل نظریات، عقائد اور تحریکات کے حملوں سے دین و سنیت کا دفاع کیا۔ وہ عالمی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ اسلام اور عقائد اہل سنت ہی عالمی اہمیت کے حامل ہیں اور مسائل دنیا کا جواب رکھتے ہیں۔

حضرت امام احمد رضا عالم انسانیت کے لئے اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایک اللہ، اس کے سچے

باقی صہ 39

ساؤتھ افریقہ میں مذہب ولا مذہبیت کی کشمکش

از:- مولینا محمد فروغ القادری (ایم اے علیگ)
ڈربن - ساؤتھ افریقہ

اس وقت دنیائے اسلام ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے - اس پیکار و انقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی جیسی کیفیت کبھی پیدا ہو جاتی ہے - خصوصاً آج کل مسلم ممالک میں یورپین افکار ونظریات (E uropean Civilisation) کی تاریخ کا اعادہ بڑے شد و مد کے ساتھ جاری ہے - وہاں کے حکماء و امراء ایمان و قرآن سے دور ہٹ کر "ایوان ابیض" کے رحم و کرم کے منتظر ہیں - سیم و زر کی چادر میں لپٹی ہوئی گری نے "اسلامی مقصد حیات" کے اصل چہرے کو محجوب کر رکھا ہے - دنیا کو قلب و جگر کی طہارت اور روح کی پاکیزگی سے آشنا کرنے والی قوم آج خود ہی شب دیجور کے سناٹوں میں شہناز لالہ رخ کے کاشانوں کا طواف کر رہی ہے - عقل عیار کی بنیاد پر عشق کی آبرو کا جنازہ دن کے اجالے میں اٹھ رہا ہے -

"وہ اندھیرا ہی بھلا تھا جو قدم راہ پہ تھے" اس طوفان بلاخیز کی زد میں جہاں دیگر مشرقی و مغربی ممالک محصور ہیں وہیں معدنیاتی جواہرات سے لبریز ساؤتھ افریقہ کی سرزمین بھی اس فسوں گر کے دام فریب سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی - یہ ایک المیہ ہے جو ملت کے پاسبانوں کو تحریک و عمل کی دعوت دے رہا ہے - حرم کی تعمیر نو کے لئے "جب تک کہ بتان حرم" توڑے نہ جائیں جبین نیاز میں سجدوں کا تقدس آباد نہیں ہوتا اور حیات معنوی کا ایک ایک لمحہ مضطرب اور زخم خوردہ ہوتا ہے -

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو، عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

ساؤتھ افریقہ اپنی تشکیل نو سے پہلے نسبتاً اچھا تھا - مسلکی و مذہبی جہت سے لوگوں میں اتحاد و اتفاق کی پر سکون فضا قائم تھی - علماء ارباب علم و دانش اور عامۃ الناس کے مابین بھی ربط باہمی کی سنہری زنجیریں مضبوط تھیں - مگر ان دنوں حال یہ ہے کہ نئے نئے فتنے یہاں در آئے ہیں - جس سے اپنا مذہبی و مسلکی تشخص بری طرح مجروح ہو رہا ہے - قادیانیت، شیعیت و رافضیت کی تحریکی و تنظیمی سرگرمیوں نے ملک کے کونے کونے میں اپنا دام فریب بچھا رکھا ہے - جوہانسبرگ سے لے کر کیپ ٹاؤن تک کے سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں میں حد درجہ اضطراب اور ذہنی و فکری شدید بےچینی کی بہرپائی

جاری ہے۔ نظری و اعتقادی زوال کے ساتھ ساتھ اب تو اسلامی دعوت و عزیمت بھی ایک بے معنی شئے ہو کر رہ گئی ہے۔ ان دنوں یہاں شیعت و رافضیت اور بد دینی و گمری کی ترسیل و اشاعت میں وہی دست و بازو وہی چہرے، اور وہی لوگ، ہر گام پیش پیش آمادہ کار ہیں، جو کبھی مسلک و مذہب کے تحفظ کے لئے مرنے مارنے کو ہمہ دم تیار رہتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ عشق رسالت کے لئے تاب میں مدہوش یہ قوم کس طرح کسی فسوں گر کی نظر بد کا شکار ہو گئی؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہاں کیپ ٹاؤن میں کہیں کہیں خال خال شیعہ فرقے کی نمائندگی نظر آتی تھی، چند برسوں پہلے یہ نام یہاں حد درجہ غیر مانوس اور اجنبیت کا شکار تھا۔ یہاں کی سنی اکثریت بلاشبہ میرے اس قول سے اتفاق کرے گی کہ اپنے خوابوں اور خیالوں کے اختراعی واقعات کو جناب رسالت پناہی علیہ التحیۃ والثناء سے منسوب کرنے والی بین العلماء و المشائخ متنازع شخصیت پروفیسر طاہر القادری نے ۱۹۹۳ء کے اواخر میں اپنے ساؤتھ افریقہ کے دورے پر یہاں کی عوام و خواص کو جس مشترکہ نظریۂ قومیت کی دعوت عمل پیش کی تھی اس کے پس پردہ ان کے شیعی اعتقادات بول رہے تھے۔ جسے وہ انقلاب ایران کے قائد "مسٹر خمینی" کے دسترخوان سے لے کر حق نمک ادا کرنے ساؤتھ افریقہ پہنچے تھے۔ "فرقہ پرستی کے خاتمے" کے نام پر انھوں نے جس نظریہ اعتدال کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ بھی "رفض و فسق" ہے جسکی زہر افشانیوں سے یہاں کا ہر دل بے چین، ہر لمحہ مضطرب اور ہر ذہن اذیتوں کا شکار ہے۔ نیتوں کے فساد اور ثبات قلب، و رسوخ عزم کے فقدان نیز معاملات کے رد و کد اور بحث و نظر نے خواہ مخواہ ہزاروں انسانوں کے عقائد متزلزل کر دیئے ہیں۔ اور نظریات و اعتقادات کی زبوں حالی کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

ابھی گذشتہ دنوں اس عنوان سے ارباب حل و عقد کی ایک میٹنگ طلب کی گئی، جس میں اس طوفان بلاخیز کے سد باب کے لئے موثر ترین اقدامات کے ابتدائی مراحل پر آراء و افکار سامنے آئے، مگر پھر وہی تلاش، پھر وہی جستجو اور عملی سبک روی کی زمین تاہنوز تشنہ ہے۔ میں طبعی طور پر ہمیشہ عملی و فعلی نفوذ و ظہور کا طالب رہا ہوں مگر یہ ہو کیسے؟ ان منفی حالات میں یہ حد درجہ ضروری ہے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق کی لہر پیدا ہو۔ تاکہ ہم اپنے آنگن میں بھر ایمان و یقین کا اجالا محسوس کر سکیں۔ علمائے اہل سنت اور ارباب فکر و فن آپس میں نظری و فکری اختلافات سے الگ ہٹ کر قوم و ملت کی شیرازہ بندیوں میں لگ جائیں، تاکہ جب یہ قوم اور اس کے حوصلہ مند نوجوان علم و عمل اور شعور و آگہی سے ذہنی و طبعی طور پر آراستہ ہوں گے تو پھر کبھی کسی باطل فرقے کا مبلغ ان کے خرمن ایمان و عقیدت پر

رات کی تاریکی میں شب خون مارنے کی جرات نہ کر سکے گا۔ محفل انجمن کی بقاء کے لئے بہر کام جذب باہم ضروری ہے۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجمن بھی نہیں

اتحاد علماء یا اتحاد قوم سے میری مراد وہی اتحاد و اشتراک ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت سیدی امام احمد رضا خاں بریلوی قدس اللہ سرہ کے عین مطابق ہو، اور اسی میں دنیا و عقبیٰ کی نجات ہے۔ امام احمد رضا نے جس نظریہ اتحاد کی دعوت دی ہے اس کی بدایت و نہایت "عشق رسول علیہ التحیۃ والثناء سے عبارت ہے، یہی وہ سوزش تھی جس کی آگ میں آپ کا وجود معنوی تاحیات سلگتا رہا۔ اس سے دور ہٹ کر اس موجودہ صدی میں نہ تو ہمارے پاس کوئی مقصد حیات، نہ جادہ و منزل ہے، غلام قومیں مادیات کو روحانیت پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ایسی ہر تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت نفس اور روح انسانی کا رفع ہو۔ ایمان و اسلام اور مذہب و مسلک کا حقیقی تحفظ دنیا کی تمام اشیاء پر مقدم ہے۔ سنا ہے کہ کسی قوم کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے علماء عمائدین و مبلغین کے علمی و عملی شعور اور فکر و آگہی کے تمام شعبوں پر نگاہ دوڑائی جائے، جو واقعی اہل علم ہوں گے ان میں علم و عمل کا معنوی میلان پایا جائے گا۔ وہ یقیناً تضیع اوقات سے گریز اور مطالعہ و کتب بینی سے حد درجہ رغبت کرتے ہیں، جس سے خلوت میں خوشی، تقریر میں زیبائش، تجویز و ترتیب میں استعداد اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ایک داعی یا مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے ربط و ضبط میں مخلص، منکسر المزاج اور روح کو پگھلا دینے والے عزم و استقلال کا حامل ہو۔ عموماً بد اخلاقی آدمی کی بے علمی اور قوت ارادی کی کوتاہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ساتھ ہی خاموشی اور استقلال سے کئے جانے والے کام کا اثر نمایاں ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ محنت اور صبر و شکیب کچھ عجیب سر چڑھ کر بولنے والا جادو ہے۔ اور اصل محنت وہی ہے جس میں جسمانی قویٰ روحانی طاقتوں کے ماتحت کام کریں۔ جس طرح بند پانی میں کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح آرام طلبی سے جسم میں مختلف امراض اور ذہن و دماغ میں قبیح و مذموم خیالات گھر کر لیتے ہیں۔ دل و دماغ کی کشادگی اور خیالات و آراء کی پاکیزگی اللہ جل شانہ کی ہزار ہا نعمتوں میں ایک ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر بڑے کام متواتر عرق فشاں کوششوں اور دل خراش ناکامیوں کا ہی نتیجہ ہوتا ہے، تاہم علمی شعور اور اخلاقی بالیدگی اپنے اندر تسخیر کائنات کی صلاحیت رکھتی

ہے ۔ بنام سنیت جو ادارے یہاں ساؤتھ افریقہ میں سرگرم عمل ہیں انھیں باہم مشترکہ تعاون کے ساتھ کام کرنا چاہیے ۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ذہنی ہم آہنگی اور فکری اتحاد بہر سو باقی رہے گا ۔ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی میں جو باصلاحیت افراد و اشخاص ہیں اس سے پہلے کہ ان کا ذہن و دماغ کسی اور جانب مبذول ہو ، انھیں کام کرنے کا موقع دینا چاہیے ۔ تاکہ ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ عوام و خواص میں عقائد و مسلک کی اصلاح بھی ہوتی رہے ۔ علم حق اور اخلاص و ایثار فی اللہ کی تاثیر سے سینکڑوں جانبازوں اور حق پرستوں کو معتقد کیا جاسکتا ہے ، تعلیمات نبوی علیہ التحیۃ الثنا سے قلب پر ایک عجیب وجد و محویت کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ۔ اصحاب طریق و معارف کی باتوں کے سمجھنے کے لئے بھی دل صافی اور فہم مستعد و عالی چاہیے ، صرف مدارس میں تضیع اوقات ، لاحاصل دماغ سوختگی اور تسبیح و سجادگی کی دوکان آرائی سے یہاں کام نہیں چلتا ۔ اکابر اہل سنت کا سب سے بڑا کارنامہ اور مجاہدہ یہی ہے کہ انہوں نے اندھیری رات کے مسافروں کو ایمان و یقین کی تابناک صبح عطا فرمائی ۔ بھٹکتی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم کی حسین شاہراہ پر لاکر کھڑا کر دیا ، اور احکام شرعیہ کے قیام و نفاذ میں اپنی آخری سانس تک نبرد آزما رہے ۔

سخت کوشی نے مصلحت کوشی کو کبھی راہ میں آنے نہ دیا ۔ امام احمد رضا کی تحریکی و عملی زندگی میں یہ خصوص حد درجہ نمایاں ہیں ۔ عندلیبان شوق کی صداقت اور قلب کی طہارت نے ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں ہزاروں سرفروشوں کی جماعت حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئی ۔ اور پھر یہ عشق الٰہی کی ایک ایسی جانباز جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور ملک و وطن کی جغرافیائی الفتوں کو ایمان و محبت کے رشتوں پر قربان کر دیا تھا ۔ انھیں تارکین وطن نے دارا و سکندر کے شاہانہ تخت و تاج کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا ہے ۔

شکوہ و جبروت کی یہی وہ آندھی تھی جس سے فلک بوس پہاڑوں کا وجود کانپتا تھا ۔ جن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قیصر و کسریٰ کے محلات میں سنائی دیتی تھی ۔ یہ ایمان کی جاں کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیل رہے ہیں ۔ آج ملت کو سب سے زیادہ نقصان غرور حسب و نسب اور خاندان و نسل کے ان بتوں سے ہے ، جنکی پرستش زور و شور سے کی جارہی ہے ۔ بقول ایک صاحب قلم مفکر کے "حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطری ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لئے نسب و خاندان کے امتیاز باطل سے بڑھ کر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی ، یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اس کی ذاتی قوتوں کے استعمال اور ان کے ثمرات سے محروم رکھنا چاہتی ہے ، اور اس خلاف فطرت راہ کی رہنمائی کرتی ہے کہ ایک شخص کو باوجود عدم استحقاق ذاتی مستحق شرف سمجھا جائے

اور دوسرے کو باوجود استحقاق ذاتی محروم کر دیا جائے۔" عمائدین قوم اور قائدین ملت اس موقف پر ذرا ٹھہر کر خود ہی غور فرمائیں کہ شب و روز کے تسلسل میں نفسانیت۔ انانیت، بد خلقی اور خود پرستی اس دور کا کتنا بڑا المیہ ہے اسکے منفی اثرات گام گام پر نمایاں ہیں، اس مرض الموت کا سر دست علاج کون کرے؟ میرے سامنے دم تحریر یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ ہمارے ہاں آپس میں نظری و فکری اختلافات اور شک و شبہہ کا فتنہ بھی عام ہے، یہ فتنہ خود اس تیزی سے ہُنہیں آتا جس قدر جلد شک و شبہہ دور کرنے والے اسے بلا لیتے ہیں۔ ہمیشہ مدعیان تطبیق نقل و عقل و دفع شبہات و شکوک نے ایسا ہی کیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ روح فتح و نصرت مفقود ہے، اور معاملہ تجدید و احیائے جمعیت اپنے کشود کار کے لئے کسی دست غیب کا منتظر ہے۔ پھر یہ سوچتا ہوں کہ اگر اسی شدت انتظاری اور امید و بیم کی اسی تشنگی سے کام چل جاتا تو پھر صبح مقصود کی طلعت جہاں تاب کے لئے خون صد ہزار انجم کی ضرورت نہ ہوتی۔ اب ضرورت محض دعوت کی نہیں بلکہ عزائم امور دعوت کی ہے۔ ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحریک و تنظیم کے باب میں اس کی قوت و ضعف اور حسن و قبح کو بلا کسی جانبداری اور تاثر و احساس کے ٹھیک ٹھیک واضح کر دے۔ حسن و قبح اور معاملات کی تمیز و تحقیق میں وہ جس درجہ بے اثر، بے میل اور بے حس واقع ہوگا، نتائج اتنے ہی موثر ہوں گے۔ تحریک و تنظیم کی راہوں میں جذبات کی شرکت نقص ہے تاہم دعوت و تبلیغ کی راہ سر تا سر جذبات سے معمور ہوتی ہے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

اللہ جل شانہ، ہمیں نادانوں کے فریب عزت اور سراب شرف سے محفوظ رکھے، اور اگر کچھ اعتماد ہے تو عجز و شکستگی، بے سرو سامانی و مفلسی اور ذات باری کی نظر کرم کی عاجز نوازیوں پر اور بس الحاصل! اس وقت ساؤتھ افریقہ کی سرسبز و شاداب اور گلشن بداماں سرزمین پر متعدد مذہبی فتنوں کا عہد شباب ہے۔ اگر بر وقت اس کا سد باب نہ کیا گیا اور عوام نے علماء کے ساتھ پہلو بہ پہلو قدم اٹھانے سے پہلو تہی کی اور جمود و تعطل کی موجودہ زندگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ اور اپنی فرسودہ کاریوں اور غلط طرز عمل سے گر باز نہ آئے تو یاد رکھو! تمہارا یہ نظریہ فکر تمہاری حیات معنوی کے لئے مرض الموت کا درجہ رکھتا ہے، پھر اگر دوسری جانب علمائے امت اور عمائدین قوم نے آپس میں اختلافات کا شکار ہو کر دو مذہبی جماعتیں قائم کر لیں، اور فریقانہ بحث و نزاع کی شکل اختیار کر لی گئی تو یہ ناگزیر ہوگا کہ قوم میں دونوں جانب سے شکوک و شبہات اور افراط و تفریط کا میلان پیدا ہو۔ مسائل کا حل متعدد تنظیموں کا قیام نہیں بلکہ اتحاد فکر و نظر میں سنجیدگی کا التزام ہے اور یہ مابہ الامتیاز کیفیت دل

و دماغ کی طہارت سے پیدا ہوتی ہے ۔ اگر ہم نے مذہبی و مسلکی عنوان سے قوم کی رائے عامہ ہموار کرنے میں حد درجہ اخلاص و ایثار اور قابل تقلید جذبہ اتحاد سے کام نہ لیا اور گذرتے ہوئے وقت کی قدر و قیمت محسوس نہ کی، تو عجب نہیں! ہم اپنے اکابرین کی نظروں میں ایک بہت بڑی فرصت عمل ضائع کرنے کے لئے مجرم اور سزاوار ثابت ہوں گے ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے دل و دماغ کی نگہبانی کریں، اور اس سے وہ کام لیں جس میں پوری امت کا اجتماعی مفاد موجود ہو ۔ آیئے آج ہم یہ وعدہ کریں کہ ہمیں اپنی طلب و سعی کا سفراز سرنو شروع کرنا ہے ۔ ہمارا یہ سفر مذہبی، مسلکی، علمی، عملی، فکر و آگہی، تحریری، تقریری، تبلیغی، تشہیری، اشاعتی اور تدریسی راہوں کا سفر ہے ۔ ہمیں انسانی اولو العزمی اور فیروزہ مندی کی طرف جانا ہے ۔ ہمیں اپنی گم گشتہ سعادت کا سراغ لگانا ہے ۔ ہمیں اپنی راہ سے بے شمار رکاوٹیں دور کرنی ہیں ۔ ہمیں مصائب و آلام اور صحرا و بیابان کی بے نشان راہوں سے گذر کر شام غریباں اور ظلمت شب کی وحشت دور کرنی ہے ۔ ہمیں موت سے زندگی ۔ پستی سے بلندی ۔ اور ذلت و رسوائی سے شرف و عظمت کی جانب پلٹنا ہے ۔ ہمیں دشت و جبل میں بکھرے ہوئے سنگریزوں کو جوڑ کر ناقابل تسخیر چٹان بنانا ہے ۔ ہم اب راستوں کی کلفتوں سے بے نیاز ہو کر منزل کی تابناکیوں کے منتظر ہیں ۔ اب ہماری دنیا خوابوں، خیالوں اور تصورات تک محدود نہیں ہوگی ۔ بلکہ حقائق کی ایک زندہ تصویر بنے گی ۔ مذہب و مسلک کے نام پر انسانی اتحاد کے مقاصد کے لئے وقت، فاصلہ اور نظریاتی یا علمی اختلافات کی دیوار حائل نہیں ہو سکتی ۔ ہمیں ہر ہر لمحہ اپنے حواس پر قابو رکھنا ہوگا، اور اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرنی ہوگی ۔ رہنمائے قوم و ملت کو رہنمائے حقیقی کی دستگیری پر نظر رکھنی ہوگی ۔ تب ہم اپنے آپ کو ایک دوسرے عالم میں پائیں گے ۔ پھر ہمیں نہ تو ناخن گرہ کشا کی منت پذیری اور نہ ہی زنجیروں کی حلقہ شماری کا انتظار ہوگا ۔ حالات کا کوئی اتار چڑھاؤ معاملات کی کوئی چبھن، ہمارے قدموں کا رخ نہیں بدل سکتی ۔ ہمیں جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم نبوت کی روشنی میں کائنات کی منزل تلاش کرنی ہے ۔ علوم نبویہ کا عرفان ہماری حیات معنوی کے لئے ابدی خوراک ہے ۔ انسانی علم ہمیں صرف مخلوقات سے ملاتا ہے، مگر علم نبوت ہم کو مخلوقات کے خالق سے ملا دیتا ہے ۔ علم نبوت دراصل علم حقیقت کا دوسرا نام ہے ۔ کامیابی کا راز حقیقت سے مطابقت میں ہے نہ کہ حقیقت حال سے تضاد میں اگر اصل حقیقت وہی ہے جس کی طرف تاجدار دو جہاں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی ہے ۔ علاوہ اس کے کسی اور حقیقت کی تلاش میں لگنا تحصیل لاحاصل اور تضیع اوقات سے عبارت ہے ۔ اسلام کے نظریات محض ادعائی عقائد نہیں، بلکہ مسلمہ حقائق ہیں ۔ عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی قلمی

نگارشات کا مطالعہ زندگی کے ہر شعبے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ان کے افکار و نظریات اور تصنیفی و تعلیمی زندگی چند ماہ و سال پر نہیں بلکہ پوری صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری صدی امام احمد رضا کی صدی ہے۔ آج دنیائے اسلام کو پھر امام احمد رضا کی ضرورت ہے۔ انھوں نے ماضی میں جو کچھ کہا یا لکھا مستقبل نے اس کی تصدیق کی ہے۔ ازمنۂ ثلاثہ کا اس درجہ حسین امتزاج ان کے معاصرین میں کہیں نظر نہیں آتا۔ امام احمد رضا نے عمومی مذہب کا دفاع نہیں کیا، بلکہ اسلام اور خصوصاً سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے مطابق اسلام کا دفاع کیا ہے۔ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ بطور خود اپنا فلسفہ حیات دریافت کر سکے، تاآنکہ کسی کی بچی رہنمائی حاصل نہ ہو۔ مذہب اور لامذہبیت کی کش مکش اتنی ہی پرانی جتنی انسانی تاریخ پرانی ہے۔ ان حالات میں ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا، اور کتاب ملت بیضا کی شیرازہ بندی کے لئے تمامتر جدوجہد اور نیتوں کا اخلاص بروئے کار لانا ہوگا۔

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

بقیہ:۔ عالمی اہمیت

رسول اور دین حق کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں انھوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور عزت و عظمت کو دین، اپنی حیات اور علمی کاوشوں کا مرکز بنائے رکھا۔ یہی ان کی عالمی اہمیت کا سبب ہے۔

امام احمد رضا نے اپنے دور کی تمام باطل تحریکوں جیسے تحریک ہجرت، تحریک خلافت و تحریک ترک موالات وغیرہ کا رد کیا۔ انھوں نے جو کچھ کیا تھا مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر اور آج لوگوں کو اعتراف ہے کہ امام نے جو کچھ کہا تھا اور کیا تھا درست ثابت ہوا۔

امام احمد رضا نے کبھی بھی برٹش اقتدار کو تسلیم نہیں کیا۔ انگریزی کورٹ کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ وہ لفافہ پر ہمیشہ ٹکٹ الٹا لگایا کرتے تھے یہ کہتے ہوئے کہ انگریز کو الٹا لٹکا دیا ہے۔

امام احمد رضا کتنے دور اندیش تھے انھوں نے واقعات کو کبھی بھی جذبات کی رو میں بہنے نہیں دیا۔ وہ ہر شئے کو اسلام اور اسلامی قومیت کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ وہ سدا صراط مستقیم پر قائم رہے۔ اور ایک سچے اسلامی مدبر اور سیاستداں کی حیثیت سے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

"یہ ہے امام احمد رضا کی عالمی اہمیت"

برادر امام احمد رضا، تلمیذ داغ

حسن بریلوی کی نعتیہ شاعری

از اختر حسین فیضی مصباحی استاذ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو

مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی بریلی کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دینی رہنمائی اور فیوض و رشد و ہدایت کے علاوہ یہ خاندان شعر و ادب کے بیش بہا خزانے کا مالک بھی ہے۔ آپ نے حمد و نعت، منقبت، مثنوی، غزل، رباعی، تاریخ و قصائد غرض ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کی ہے۔ فصیح الملک بلبل ہند، مرزا خاں داغ دہلوی سے شرف تلمذ تھا۔ وہ عرصۂ دراز تک مرزا داغ کے ساتھ دربار رامپور میں رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے برادر اکبر مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد داغ کو سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔

(مولانا ماہر القادری، ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۵)

حسن بریلوی ۱۲۷۶ھ ۔ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں عالم باعمل اور صوفی صافی بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور برادر بزرگ (امام احمد رضا) کے حلقۂ فیض میں حاصل کی۔ خاندانی روایات کے مطابق شعر و شاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ سن شعور کو پہنچے تو فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۳۱۹ھ میں "ثمر فصاحت" کے نام سے اپنی غزلیات کا مجموعہ مرتب کیا۔ ۱۳۲۶ھ میں

"ذوقِ نعت" کے نام سے نعتوں کا مجموعہ ترتیب دیا۔ اور ۱۳۲۶ھ ہی میں پچاس برس کی عمر پاکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مغفور تاریخ وفات ہے۔

مولانا نے کئی دینی اور مذہبی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ اور بریلی کے کئی خوشگوار شعراء نے ان کے دامن فیض میں تربیت پائی۔

رئیس المتغزلین مولانا حسرت موہانی حضرت حسن بریلوی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"شعر و سخن کا شوق حضرت حسن کو ابتدا ہی سے تھا کچھ روز تک بطور خود مشق کرتے رہے اس کے بعد مرزا داغ کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا اور ایک مدت تک رامپور میں رہ کر استاذ کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بجائے خود استاد مستند قرار پائے۔ شاگردانِ داغ میں حسن مرحوم کا پایۂ شاعری بہت بلند تھا۔ انہوں نے اپنے اندازِ سخن کو استاذ کے رنگِ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر قطعوں میں داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

(اردوئے معلّٰی علی گڈھ جون ۱۹۱۲ء)

مشہور ناقد و ادیب نیاز فتحپوری کے ماہنامہ "نگار" کے "داغ دہلوی نمبر" میں کچھ اس طرح تذکرہ ہے۔

"حاجی مولانا حسن رضا خاں بریلوی حضرت شاہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے چھوٹے بھائی کو شعر و سخن کا طبعی و فطری ذوق تھا۔ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے مالک تھے۔ مزاج میں شوخی اور شگفتگی اور زندہ دلی تھی۔ حضرت داغ کے ارشد تلامذہ میں شمار تھا۔ نعتیہ کلام میں ان کا دیوان "ذوقِ نعت" اور عاشقانہ میں "ثمر فصاحت" یادگار ہے۔"

(ماہنامہ حجاز دہلی۔ جنوری، فروری ۱۹۹۱ء)

خمخانۂ جاوید میں ہے۔

آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا ہے، جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی سادگی، بندش اور شوکت الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی ہے طرز بیان میں سادگی کے ساتھ ساتھ تیکھاپن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے اخیر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر

مصرع ثانی کے نسبت مصرع اولی تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں۔ بعض اشعار میں مصرع اولی کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرع ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ بول چال اور محاورات میں حرف گیری کی کم گنجائش ہے۔ الغرض آپ کا مذاق شعر پاکیزہ اور اسلوب بیان قابل تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو ان کے نام کو جلا دیتے۔ (خمخانۂ جاوید، جلد دوم ص ۴۵۰، ۴۵۱۔ از لالہ سری رام)

لالہ سری رام داغ دہلوی کے تذکرے میں شاگردان داغ کا کچھ اس طرح تذکرہ کرتے ہیں۔

شعراء کی تعداد آپ (داغ) کے تلمذ سے مستفید ہوئی، اور جس قدر اچھے شاعر آپ نے ملک میں پیدا کیے اس کی نظیر آج تک دیکھنے کو نہیں آئی۔ یہ اردو شاعری پر آپ کا دوہرا احسان ہے۔ کل شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ جن میں بعض ارشد تلامذہ کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

حضور نظام جنت مقام۔ بے خود بدایونی۔ نسیم بھرتپوری۔ بیخود دہلوی۔ مرزا سائل دہلوی آغا شاعر دہلوی۔ ڈاکٹر محمد اقبال۔ حسن بریلوی۔ بیباک۔ حیرت۔ آزاد۔ اسا۔ فیروز۔ احسن مارہروی وغیرہم۔

(خمخانۂ جاوید، جلد سوم ص ۱۱۷۔ از لالہ سری رام)

ذوق نعت:۔ مولانا حسن رضا بریلوی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ذوق نعت کے نام سے شائع ہوا اس کی ترتیب میں عام اساتذہ کے دیوانوں کی طرح حروفِ تہجی کی ترتیب کا التزام ہے۔ ہر ردیف میں نعتیں کہی گئی ہیں۔ بلکہ بعض سنگلاخ زمینوں میں بھی۔ آپ کے اشعار میں مضمون آفرینی، ندرت خیال اور حقیقت آرائی کو خاص دخل ہے۔ نعت گو شعراء کو محبوب کے حسن و جمال اور حسن سیرت کے بیان میں کذب اور مبالغے سے اجتناب کرنا پڑتا ہے۔ اور محبوب کے حقیقی صفات ہی کی نقاب کشائی کرنی پڑتی ہے۔ مولانا نے اس حقیقت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اشعار میں موقع کی نزاکت اور اہمیت کے مطابق نہایت مناسب موزوں اور بر محل الفاظ محاورات استعمال کرتے ہیں۔ تشبیہات نہایت لطیف اور عام فہم ہیں۔ جس کی وجہ سے کلام فصاحت و بلاغت کا گنجینہ بن گیا ہے۔ آنے والے صفحات میں آپکے نعتیہ کلام کا فرداً فرداً جائزہ لیا گیا ہے۔

مضمون آفرینی: ۔ مولانا نعت گوئی میں دوسرے نعت گو شعراء کے نقال نہیں، وہ ہر جگہ نئی بات کہنے کے عادی ہیں۔ ان کے بہت سے اشعار میں نئے نئے مضامین ہیں ذیل میں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن میں ندرتِ خیال موجود ہے اور مضمون آفرینی کا حق ادا کیا گیا ہے۔ ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی لب سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تیری گفتگو پسند

مرزا غالب کا ایک شعر ہے۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

غالب کا خیال ہے کہ کچھ حسینوں کی شکلیں تو لالہ و گل کی صورت میں ظاہر ہو گئیں۔ اور بہت سی مٹی ہی میں دب کر رہ گئیں۔ لیکن مولانا کو اس سے اتفاق نہیں، انہوں نے اس سے ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے۔ کہتے ہیں ؎

کر گیا آخر لباسِ لالہ و گل میں ظہور
خاک میں ملتا نہیں خونِ شہیدانِ جمال

امیر مینائی کا شعر ہے ؎

حور بن کر ترے کشتے کی قضا آئی ہے
دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آئی ہے

مولانا حسن فرماتے ہیں ؎

جب تری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دولہن بن کے قضا آئی ہے

ایک جگہ اور لکھتے ہیں ؎

شہیدِ ناز کی تفریح زخموں سے نہ ہو کیوں کر
ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغِ جنت کی

ندرتِ خیال کی رنگا رنگ جلوہ آرائیاں یہاں بھی دیکھئے ؎

الٰہی دھوپ ہو ان کی گلی کی
مرے سر کو نہیں ظلِ ہما خوش

جنت بھی لینے آئے تو چھوڑیں نہ یہ گلی
منہ پھیر بیٹھیں ہم تری دیوار کی طرف

ملائکہ کو بھی ہیں کچھ فضیلتیں ہم پر
کہ پاس رہتے ہیں طواف مزار کرتے ہیں

مولانا کی نعتوں میں بعض اشعار بالکل نئے خیالات کے ہیں جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئے۔ کہتے ہیں ؎

الٰہی بعد مردن پردہ ہائے حائل اٹھ جائیں
اجالا میرے مرقد میں ہو ان کی شمع تربت کا

دونوں جہاں کی شاہی ناکتخدا دلہن تھی
پایا دلہن نے دولہا صبح شب ولادت

بت خانوں میں وہ قہر کا کہرام پڑا ہے
مِل مِل کے گلے روتے ہیں کفار و صنم آج

حسنِ الفاظ:۔ مولانا حسن بریلوی چونکہ زبان و محاورے پر بہت قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے بسا اوقات الفاظ کے تقدم و تاخر سے بھی مضمون پیدا کر لیتے ہیں۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں مثلاً ؎

خدا کا وہ طالب، خدا اس کا طالب
خدا اس کا پیارا، وہ پیارا خدا کا

اللہ کا وہ محبوب ہے جو تمہیں چاہے
اس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

تضاد الفاظ:۔ بیشتر الفاظ میں الفاظ کے تضاد سے مضمون پیدا کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے اشعار؎

مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نکالا کب کسی کو بزم فیض عام سے تم نے
نکالی ہے تو آنے والوں کی حسرت نکالی ہے

حسنؔ کا درد دکھ موقوف فرما کر بحالی دو
تمہارے ہاتھ میں دنیا کی موقوفی بحالی ہے

تکرار الفاظ:۔ بہت سے اشعار میں تکرار الفاظ سے اچھوتے اور بہترین مضمون نکالے ہیں؎

ترا درد الفت جو دل کی دوا ہو
وہ بے درد ہے نام لے جو دوا کا

میرا تیرا اک تک پیارے
میں بھی فانی تو بھی فانی

قول حسنؔ سن، قول حسن سن
باقی باقی فانی فانی

مترادف الفاظ:۔ مولانا نے بعض اشعار میں مترادف الفاظ یا آپس میں ملتے جلتے الفاظ، یا ذو معنی الفاظ لاکر اچھے اچھے مضمون پیدا کئے ہیں، چند مثالیں حاضر ہیں۔

ٹوپیاں تھام کے گر عرش بریں کو دیکھیں
اونچے اونچوں کو نظر آتے نہ رفعت تیری

رنگ چمن آرائی اڑانے کی ہوا میں
چلتی ہے ہوا دامنِ مولیٰ سے لپٹ کر

نہ کوئی دوسرا میں تجھ سا ہے
نہ کوئی دوسرا ہوا تیرا

نہ ہو گا دو قدم کا فاصلہ بھی
الٰہ آباد سے احمد نگر تک

تواتر و تقسیم :۔ مولانا حسن بریلوی کو زبان پر اس قدر قابو اور بیان پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ اشعار میں جا بجا صنعت تواتر اور صنعت تقسیم کا لطف پیدا کر دیا ہے ؎

ہوا بدلی، گھرے بادل، کھلے گل، بلبلیں چہکیں
تم آئے یا بہار جانفزا آئی گلستاں میں

باغ فردوس کھلا، فرش بچھا، عرش سجا
اک ترے دم کی یہ سب انجمن آئی ہے
کھیت سر سبز ہوئے، پھول کھلے، میل دھلے
اور پھر فضل کی گھنگور گھٹا چھائی ہے

قطرہ قطرہ ان کے گھر سے بحرِ عرفاں ہو گیا　　ذرّہ ذرّہ ان کے در سے مہرِ تاباں ہو گیا

رعایاتِ لفظی:۔ حسن بریلوی نے کلام میں رعایات الفاظ سے معنوی خوبیاں پیدا کی ہیں اہل فن اسے "مراعات النظر" کہتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ؎

چار اضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے
ناخنِ عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

وحشئ عقل سے کھلتا ہے تو لے پردۂ یار
کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا

اس قسم کے بیشتر اشعار ہیں، بعض اشعار میں کئی کئی صنعتیں اور رعایتیں ہیں۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے ؎

جود دریا دل کے صدقے سے بڑھے
بڑھتے بادل کو گھٹا کہنا خطا

بڑھے بڑھتے اور گھٹا میں تضاد الفاظ ہے، دریا دل اور بادل میں حرفی مماثلت ہے، گھٹا اور خطا ہم قافیہ ہیں۔ بادل اور گھٹا سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ ظاہر ہے۔ دریا اور دل میں بھی مناسبت ہے۔

محاورات:۔ آپ کے کلام میں زبان اور محاورے کی چاشنی عام ہے۔ شاید ہی کوئی شعر محاورے سے خالی ہو۔ ذیل میں چند مثالیں درج ہیں۔ ؎

کیوں تمنا میری مایوس ہو اے ابرِ کرم
سوکھے دھانوں کا مددگار ہے چھینٹا تیرا

اگر پیوند ملبوسِ پیمبر کے نظر آتے
ترا اے حلۂ شاہی کلیجہ چاک ہو جاتا

سوکھے دھانوں کی بھی خبر لے لے
کہ ہے بادل گھرا ہوا تیرا

بے ساختگی:۔ بے تکلفی اور بے ساختگی شاعر کے اندر ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ حسن بریلوی کے اشعار میں بیشتر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف باتیں کر رہے ہیں۔ نثر نے شعر کا روپ دھار لیا ہے۔ ایسے اشعار نثر بھی ہیں، شعر بھی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

مجرمو! ان کے قدم پر لوٹ جاؤ
بس رہائی کی یہی تدبیر ہے

زمین کوئے نبی کے جو لیتے ہیں بوسے
فرشتگانِ فلک ان کو پیار کرتے ہیں

کون سے دل میں نہیں یاد حبیب
قلبِ مومن مصطفٰے آباد ہے

بے یار و مددگار جنہیں کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا تجھے یار و مددگار بنایا

ایک نعت میں مسلسل ایسے ہی بے ساختہ اشعار آئے ہیں فرماتے ہیں۔

خدائے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی
خدائے پاک خوشی ان کی چاہتا ہوگا

پکڑ کے ہاتھ کوئی حالِ دل سنائے گا
تو ان کے قدموں سے کوئی لپٹ گیا ہوگا

کوئی قریب ترازو کوئی لبِ کوثر
کوئی صراط پر ان کو پکارتا ہوگا

ہزار جان فدا نرم نرم پاؤں سے
پکار سُن کے اسیروں کی دوڑتا ہوگا

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوا اِلٰی غَیْرِی
مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا

تشبیہات:۔ مولانا نے حتی الامکان تشبیہات اور اشارات کا استعمال کم کیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں کیا ہے استعارے عام فہم اور تشبیہات نہایت لطیف ہیں۔ جن سے شعر کا اثر اور لطف دوبالا ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
ان کے ابرو نہیں دو قبلوں کی یکجائی ہے

چمک جاتا مقدر جب دُرِ دنداں کی طلعت سے
نہ کیوں رشتہ گہر کا رشتۂ مسواک ہو جاتا

بہارِ خلد صدقے ہو رہی ہے روئے عاشق پر
کھلی جاتی ہیں کلیاں دل کی تیرے مسکرانے سے

اصلیت اور حقیقت:۔ حسن بریلوی کی نعتوں میں بہت سے حقائق بھی بیان ہوئے ہیں بعض اشعار میں استن حنانہ کا بھی ذکر ہے۔ قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے ایک لکڑی کا سہارا لیتے تھے۔ جو زمین میں گاڑی ہوئی تھی۔ جب حضور کیلئے منبر بنایا گیا تو اس لکڑی کو (جو درخت کھجور کا خشک تنا تھا) نکال دیا گیا، تو وہ لکڑی چیخ چیخ کر رونے لگی، اس لئے اسے حنانہ (نوحہ کرنے والی) کہا جاتا ہے۔ حضور نے اس پر دستِ مبارک رکھا تب وہ خاموش ہوئی۔ پھر اسے دفن کر دیا گیا۔ مولانا نے اسی واقعہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ؎

تمہارے ہجر کے صدموں کی تاب کس کو ہے
یہ چوبِ خشک کو بھی بے قرار کرتے ہیں

تو وہ محبوب ہے اے راحتِ جاں دل کیلئے
ہیزم خشک کو تڑپا گئی فرقت تیری

مشکل زمینیں:۔ نعت گوئی عام شعر گوئی سے کچھ مشکل فن ہے۔ اس لئے نعتیں عموماً سادہ اور آسان زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ مضامین نکالنا بہت مشکل کام ہے، مولانا نے بعض مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں بھی کامیاب نعتیں کہی ہیں۔ اور اس طرح اردو ادب میں نعتیہ مضامین کا دائرہ زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ ذیل میں چند نعتوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ ؎

پائیں صحرائے مدینہ تو گلستاں مل جائے
ہند ہے ہم کو قفس ہم ہیں اسیرانِ قفس
قافلے دیکھتے ہیں جب سوئے طیبہ جاتے
کیسی حسرت سے تڑپتے ہیں اسیرانِ قفس

خاک طیبہ کی اگر دل میں ہو رفعت محفوظ
عیبِ کوری سے رہے چشم بصیرت محفوظ
دل میں روشن ہو اگر شمع ولائے مولیٰ
دزدِ شیطاں سے رہے دین کی دولت محفوظ

زمین عجز پہ سجدہ کرائیں شاہوں سے
فلک جناب غلامان بارگاہِ رفیع
کمند رشتۂ عمر خضر پہنچ نہ سکے
بلند اتنا ہے ایوان ایوان بارگاہِ رفیع

ان مشکل زمینوں میں جو نعتیں کہی گئی ہیں ان میں رسمی اشعار نہیں بلکہ زبان و بیان اور فن کی خوبیوں کے ساتھ خیالات میں ندرت بھی ہے اور بعض حقائق بھی بیان ہوئے ہیں ایسے چند اشعار اور حاضر خدمت ہے ے

آباد کر خدا کیلئے اپنے نور سے
ویران دل ہے دل سے زیادہ کھنڈر دماغ
ہر خار طیبہ زینت گلشن ہو عندلیب
نادان ایک پھول پر اتنا نہ کر دماغ
شاید کہ وصفِ پائے نبی کچھ بیاں کرے
پوری ترقیوں پہ رسا ہو اگر دماغ

صنعتِ تلمیح :۔ مولانا حسن بریلوی نعتوں میں آیات و احادیث بھی نہایت ہی خوش اسلوبی سے نظم کرتے ہیں۔ ایسے اشعار جن میں کسی واقعے یا قصے یا آیات و احادیث یا کسی مقولے کی طرف اشارہ ہو اہلِ فن اسے صنعت تلمیح کہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں آیات کے حوالے ہیں ؎

نعمتِ اَسْتَجِبْ سے پائے بھیک
ہاتھ پھیلا ہوا مرا یا رب

اترنے لگے مَارَمَیْتَ یَدُ اللہ
چڑھی ایسی زوروں پہ طاقت کسی کی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ کے چمکتے خورشید
لامکاں تک ہیں اجالے تری زیبائی کے

ان اشعار میں احادیث کا حوالہ ہے ؎

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم کا لمعانِ نقش پا
ظلمت میں راہبر ہے رہِ مستقیم کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جو کوئی ان میں سے کسی کی اقتدا کرے گا، ہدایت پائے گا۔

رباعیات :۔ دیوان کے آخر میں دو مُسَدَّسیں، دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں، اور بارہ رباعیات ہیں۔ ایک مسدس معراج سے متعلق ہے، اور ایک مثنوی میں حضرت غوث اعظم کی زندگی کے بعض واقعات نظم ہیں۔ رباعیات مختلف مضامین پر ہیں۔

رباعی کہنا ذرا مشکل فن ہے بعض لوگ ہر چار مصرع کی نظم کو رباعی کہدیتے ہیں۔ حالانکہ

رباعی کے اوزان مخصوص ہیں۔ اگر چہار مصرعی نظم رباعی کے اوزان میں نہیں تو اسے رباعی کے بجائے قطعہ کہنا چاہیے۔ مولانا کی رباعیات رباعی کے وزن میں ہیں۔ مثالیں ملاحظہ فرمایئے ؎

یارانِ نبی کا وصف کس سے ہو ادا
ایک ایک ہے ان میں ناظم بزم خدا
پائے کوئی کیوں کر اس رباعی کا جواب
اے اہلِ سخن جس کا مصنف ہو خدا

جو لوگ خدا کی ہیں عبادت کرتے
کیوں اہلِ خطا کی ہیں حقارت کرتے
بندے جو گنہ گار ہیں وہ کس کے ہیں
کچھ دیر اسے ہوتی ہے رحمت کرتے



مراجع :-

۱ــــ شعرِ حسن — از نظیر لدھیانوی، رضا پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۸ء
۲ــــ سیرتِ اعلیٰحضرت — از مولانا حسنین رضا، سنی رضوی اکیڈمی، ماریشش، افریقہ ۱۹۸۳ء
۳ــــ امام احمد رضا نمبر — ماہنامہ قاری ۱۹۸۹ء
۴ــــ ماہنامہ حجاز جدید — دہلی۔ جنوری، فروری ۱۹۹۱ء۔ ایڈیٹر مولانا یٰس اختر مصباحی
۵ــــ خمخانۂ جاوید — جلد دوم، سوم۔
۶ــــ ذوقِ نعت — از مولانا حسن رضا حسن بریلوی

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش :۔ محمد احمد ترازی

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

(شرحِ حدائق بخشش سے ایک شعر کی تشریح)

از:۔ علامہ فیض احمد اویسی (پاکستان)

حل لغات پاس (فارسی، مذکر) لحاظ۔ خیال۔ طرفداری۔ خاطر۔ باعث جلوہ (عربی مذکر) کسی خاص طرز سے اپنے آپکو ظاہر کرنا۔ سامنے آنا۔ رونق۔ نور۔ زمزمہ۔ گیت و ترانہ و ٹھہر ٹھہر کر الاپنا۔

۴۔ شرح شعر گوئی اور پاس شرع دونوں کا اجتماع ایک مشکل امر ہے بڑے بڑے قدآور شعراء شرع کی حدیں توڑ بیٹھے۔ یہاں تک کہ بعض تو سرحد کفر بھی پار کر گئے۔ بعض نے مبالغہ آرائی سے جھوٹ ملادیا۔ بعض محض خیال و تصور میں کہاں سے کہاں تک نکل گئے اور انہیں محسوس تک نہ ہوا کہ کیا سے کیا کہہ دیا۔ ہزاروں میں ایک ایسا ملے گا جس میں شعر و پاس شرع نصیب ہو۔ اسلاف میں تو بے شمار اکابر اس حسن سے مزین تھے آخری دور میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی اس حُسن یعنی شعر اور پاس شرع دیکھنا چاہے تو اسے میرے اشعار پڑھ کر سنائے کہ لو یہ شعر بھی ہے اور پاس شرع بھی اور ان دونوں کا اجتماع یوں ہوتا ہے۔

شعر و پاس شرع جس طرح عبادات کے لیے کچھ آداب مقرر ہیں اسی طرح شاعری بالخصوص نعت گوئی کے سلسلے بھی کچھ قوانین ہیں، جو اتنے سخت ہیں کہ اُن کی حدود میں رہ کر نعت کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی کا حقیقی شعور توفیقِ ایزدی ہی سے نصیب ہوتا ہے۔ جملہ اصنافِ سخن میں نعت ہی ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار اور مشکل ہے

اس میدان میں بڑے بڑے ہوشمند ٹھوکریں کھاتے دیکھے ہیں۔ رنگِ مجاز میں آپ آزاد ہیں لیکن نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اور سچی محبت سے سرشار ہو اور اس کے ساتھ علم شریعت سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہو۔ جو دیوانوں کی طرح سوچے اور ہوشمندوں کی طرح لکھے۔ یہ ایک ایسا گلستان ہے جس میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہیں، جن سے ایک کاملِ فن ہی دامن بچا کر پھول چُن سکتا ہے۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں۔

حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہے، اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔" (الملفوظ ص۲ ج۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے مذکورہ قول کی اُس وقت پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے جب ہمیں گلزارِ نعت میں ماہر گل چینوں کے دامن بھی کانٹوں میں اُلجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت محسنؔ کاکوروی نے سراپائے مبارک لکھا، جسے خوب شہرت حاصل ہوئی، اس کا یہ آخری شعر ملاحظہ فرمائیے۔

مفت حاصل ہے، مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں بکے، یوسف کی یہ تصویر نہیں

بلحاظِ فن یہ شعر آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو مصرعہ ثانی سے ایک اولوالعزم نبی کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ حضرتِ محسنؔ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! اس سراپائے مبارک کو بروزِ حشر بارگاہِ ربوبیت میں پیش کروں باری تعالیٰ اس کے بدلے میں حور و قصور عطا فرمائے تو دست بستہ عرض کروں، الٰہ العالمین! یہ مفت

پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن حور و قصور اس کا بدل نہیں، کیونکہ یہ یوسف علیہ السّلام کی تصویر نہیں کہ کھوٹے داموں بیچ دی جائے ـــــ ایک اور قصیدے کا شعر ہے۔

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی
بُرا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمد کا

حضرت محسنؔ کاکوروی علیہ الرحمۃ کی شاعرانہ عظمت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں اشعار عالم استغراق یا جوشِ روانی میں سپردِ قلم ہوئے اور غیر شعوری طور پر ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ حالانکہ یہ وہ نازک بارگاہ ہے کہ:۔

؎ نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

مشہور شاعر جناب آظہر ہاپوری مرحوم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک نعت ارسال کی۔ جس کا مطلع تھا۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے برہم ہو کر فرمایا، مصرعۂ ثانی منصبِ رسالت سے فروتر ہے۔ حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کو لیلے سے گنبدِ خضرا کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا سخت بے ادبی ہے اور یوں قلم برداشتہ اصلاح فرمائی۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلّٰے کے سامنے

ایک صاحب نے بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہو کر اپنے نعتیہ اشعار سنانے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا، میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی مراد آبادی کا کلام سنتا ہوں۔ (اس لیے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت میں تُلا ہوا ہوتا ہے) اگرچہ حضرت کافی کے یہاں لفظ رعنا کا استعمال بھی موجود ہے اگر وہ اپنی اسی غلطی پر

آگاہ ہو جاتے تو یقیناً اس لفظ کو بدل دیتے۔ پھر خیالِ خاطرِ احباب کے پیشِ نظر اُن صاحب کو کلام سُنانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اُن کا ایک مصرعہ یہ تھا۔

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اسی در سے گھٹی

آپ نے فوراً شاعر موصوف کو روک دیا اور فرمایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیاء کرام کی عظمت و بزرگی میں چار چاند لگانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصرعہ یوں بدل دیا جائے۔

شانِ یوسف جو بڑھی ہے تو اسی در سے بڑھی

آدابِ نعت گوئی اور اس کے شعور و عرفان کے ساتھ فاضلِ بریلوی کی نظر کی گہرائی کی داد دیجئے کہ معمولی سی شرعی لغزش بھی آپ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی اور پھر مصرعوں کی تبدیلی سے مضمون کس قدر جاندار ہو گیا ہے۔ حقیقتاً آپ کی یہ بات باریک بینی اور نظر کی گہرائی اُن خداداد صلاحیتوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر علمائے عرب و عجم نے آپ کو مجدد اور امامِ زمانہ تسلیم کیا تھا۔ جو ذاتِ گرامی صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں جملہ علوم عقلی و نقلی میں ماہرانہ استعداد کی سند لے کر مسندِ افتا پر جلوہ افروز ہو اُس کے تبحرِ علمی پر ذہانت و فطانت جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

جب ہم آپ کی پہلو دار شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو موجودہ صدی کی سر برآوردہ علمی شخصیتوں میں آپ کا قد و قامت سب سے بلند نظر آتا ہے اور مقامِ فضیلت سب سے مرتفع۔ آپ بیک وقت ایک متبحر عالم، مفسر، محدث، فقیہ، مفکر، فلاسفر، خطیب اُردو کے بلند پایہ ادیب اور نعت گوئی میں منفرد حیثیت کے شاعر تھے۔ مختلف علوم و فنون پر کم و بیش ایک ہزار تصانیف آپ کی رفعتِ علم، بلندیٔ فضیلت، علوِ فن، اور قدرت و مہارت کی آئینہ دار ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا کوئی تشنگی باقی نہ چھوڑی۔

جس عنوان کو اپنایا اس کا گوشہ گوشہ منور کر دیا۔ نثر کی جانب چلے تو ایسے لعل و جواہر بکھیرے کہ عروسِ نثر کو کبھی تہی دامنی کا شکوہ نہ ہوگا۔ شاعری کی طرف آئے تو وہ گُل بوٹے کھلائے کہ تا طورہ نظم کو ہمیشہ کے لیے بہشت بداماں بنا دیا۔ نعت گوئی نے اس فن مبارک کو اُردو ادب میں ایک خاص مقام دلوایا اور اس میدان میں انہوں نے جو سرگرمی دکھائی اُس کی بدولت آج یہ فن زندہ ہے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اور آپ کے معاصرین کے کلام میں جو نمایاں فرق ہے وہ سچا عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے، جس نے آپ کو اُن تمام سے ممیز و ممتاز کر دیا ہے۔ آپ کے ہر شعر میں اس کی نورانیت نظر آتی ہے یہی وہ شمع ہے جس کی روشنی میں آپ اُن تمام مشکل ترین منزلوں کو بھی بآسانی طے کرتے چلے گئے جہاں بڑے بڑے علماء و شعراء کے قدم ڈگمگانے لگے۔ اور بعض ٹھوکریں کھاتے دیکھے گئے۔ اس روشنی سے نہ صرف آپ ہی کا دانش کدہ منور ہے بلکہ آپ نے اس کی شعاعوں سے ہند و پاک کی فضائے شعر و حکمت میں ایسا چراغاں کیا ہے جو ہمیشہ روشن رہے گا اور جس کے اُجالے میں مستقبل کا جویائے راہ سلامت روی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود پالے گا۔

آپ کا مجموعۂ نعت حدائق بخشش نہ صرف عشق حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتابِ عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں، جو آنکھوں کے راستے دل میں اُتر کر کائنات حیات کو منور کر دیتی ہیں سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوئے حبیب کی حدیثِ عشق سُنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت یہ اندازِ بیاں، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشق حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے جائیے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ

نہیں آنے پاتی۔

اس میدان میں بڑے بڑے نعت گو اساتذہ کے قدم ڈگمگا گئے اور اس کسوٹی پر کوئی بھی پورا نہیں اُتر سکا ہے، حالانکہ اساتذۂ نعت میں وہ بھی ہیں جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم دمفتی بھی تھے۔ چند شعراء کا نمونۂ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اخبار زمیندار کے ایڈیٹر مشہور سیاستدان، صحافی اور شاعر مولوی ظفر علی خان کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی
فلاطون طفلِ دبستانِ احمد

فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبَ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ممانعت کے باوجود ظفر علی خان صاحب نے اِس لفظ یثرب کو اپنی نعتوں اور نظموں میں بکثرت استعمال کیا ہے۔ استاذ الاساتذہ منشی امیر احمد امیر مینائی مرحوم نہ صرف بلند پایہ شاعر تھے بلکہ سنی صحیح العقیدہ بزرگ تھے۔ اس کے باوجود

اللہ گہر اور صدف احمد مختار

یہ مصرعہ شرعاً قابلِ گرفت و لائق اعتراض ہے۔ کیونکہ صدف سے گہر پیدا ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدف ہوئے اور ذاتِ باری تعالیٰ گہر تو غور فرمایئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ موصوف کا یہ شعر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

طور کا جلوہ تھا، جلوہ آپ کا
لَنْ تَرَانِیْ تھی صدائے مصطفٰے [۱]

---

[۱] محامد خاتم النبیین مطبوعہ لکھنو ص۳

موصوف کے نزدیک طُور پر تجلّی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دیکھی تھی. وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا جلوہ تھا اور لَنْ تَرَانِیْ بھی حضور ہی نے کہا تھا (گویا نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پردے میں خود ہی لَنْ تَرَانِیْ کہہ رہے تھے) یہ عقیدۂ توحید کے بالکل منافی ہے یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

طُور وہ روضہ ہے، میں صورت موسیٰ لیکن
اَرِنِیْ مُنہ سے نکالوں جو مزار آئے نظر [1]

ان کے نزدیک روضۂ رسول کوہِ طُور ہے، آپ وہ بصورت موسیٰ علیہ السلام ہیں اگر انہیں روضۂ اطہر نظر آجائے تو وہ ربِّ اَرِنِیْ کہنے کے لیے تیار کھڑے ہیں. فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا قرار دینا نعت گوئی نہیں ہے بلکہ منصب نعت گوئی سے بھٹک جانا ہے. شعر ملاحظہ ہو.

پاک تھی رنگِ دورنگی سے وہ خلوت گہہ خاص
وہی شیشہ، وہی مے خوار تھا معراج کی شب [2]

قَابَ قَوْسَیْن کی خلوت گاہِ خاص میں دوٗ نہ تھے بلکہ صرف ایک ہی ذات تھی، وہی ذات شراب کی بوتل اور وہی شراب پینے والی تھی. امیر مینائی صاحب کا وہی سے خدا کی طرف اشارہ ہے. یا حبیبِ خدا کی جانب، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے. خدا کو رسولِ خدا کا منصب دینا یا رسولِ خدا کو خدا کے مقام پہ فائز کرنا یا دونوں کو ایک قرار دینا، ساری صورتیں ہی قابلِ اعتراض ہیں نیز خدا اور حبیبِ خدا کو شیشہ و شراب و میخوار جیسے الفاظ سے تشبیہ دینا کوئی اچھی جسارت نہیں. ایک اور شعر ہے

اللہ بخش دے جو وہ شیطان کے ہوں شفیع
ہم مجرموں کے جرم تو ہیں کس حساب [3] میں

---

[1] محامد خاتم النبیین، ص ۴۹ [2] ایضاً ص ۳۹ [3] ایضاً ص ۶۵

اسی طرح کا ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔

آیا خیالِ انجمنِ لامکاں ہمیں
دیکھے کبھی جو عاشق و معشوق ڈاب میں [1]

اس شعر کا مصرعہ ثانی مبتذل ہے انجمن لامکان و بزم اسرے میں خدا اور حبیبِ خدا کی ملاقات کہاں اور دنیاوی عاشق و معشوق اور ان کا ڈاب کہاں۔ مندرجہ بالا دونوں اشعار کا مضمون و تخیل مبنی بر تضحیک و ابتذال ہے۔ جو نعت کے لیے قطعاً نامناسب اور خلافِ ادب ہے۔

کونسا پڑھا لکھا سنی ہے جس نے بلبلِ باغِ مدینہ، عاشقِ رسول، حضرت کرامت علی شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ سُنا ہو گا۔ اُن کا مندرجہ ذیل شعر پاک و ہند کے بچے بچے کی زبان پر آج بھی جاری ہے۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

مگر فردوسِ نعت کی سیر کرتے ہوئے لاشعوری طور پر وہ بھی کانٹوں میں الجھ کر رہ گئے چنانچہ اسی نعت شریف کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

خُدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

یہ شعر یوں تو محبتِ سرکارِ مدینہ کے عطر میں ڈوبا ہوا ہے اور ہر لفظ سے شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت و عقیدت کا جام چھلکتا ہوا نظر آرہا ہے لیکن منہ چومنا، بوسہ دینا، انسانی فعل ہے جس سے ذاتِ باری تعالیٰ پاک اور منزہ ہے ۔ حضرت بیدم وارثی کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

---

[1] ایضاً، ص ۶۵

عشق کی ابتدا بھی تم، حسن کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل، بندے بھی تم خدا بھی تم

موصوف نعت گوئی کی حد سے کتنے پرے نکل گئے ہیں۔ غرضیکہ امیر مینائی، محسن کاکوروی اور شہیدی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اُردو نعت کے اساتذہ فن ہیں، جن کی خدمات تاریخ ہرگز فراموش نہیں کر سکے گی۔ ان حضرات کے خلوصِ نیت اور جذبۂ عقیدت پر کوئی کوتاہ بین اور تنگ نظر ہی شک کرے گا اگر ان حضرات کو اپنی شرعی لغزشوں پر آگاہی ہو جاتی تو یقیناً وہ اس قسم کے اشعار کو بدل دیتے اور آئندہ کے لیے محتاط رہتے۔

موجودہ دور کے نعت گو شعراء میں سے صرف جناب اعظم چشتی صاحب کے چند اشعار پیش کرتا ہوں، جن کا نعتیہ کلام ملک کے مقبول اور کثیر الاشاعت رسائل و جرائد کی زینت بنتا رہتا ہے اور ریڈیو پاکستان سے بھی اکثر فردوس گوش ہوتا رہتا ہے۔ بہت اچھی نعتیں لکھتے تھے پڑھتے بھی خوب تھے۔ آواز پاٹ دار اور گلے میں قدرتی سوز تھا۔ پڑھتے وقت مجسم شعر بن جاتے تھے۔

جناب کوثر نیازی نے ان کے مجموعۂ کلام پر دیباچہ لکھتے ہوئے موصوف کو نعت خوانِ اعظم کہا ہے۔ دیباچے میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"وہ نعت کے لیے غزل کا پیرایہ استعمال کرتا ہے مگر شریعت کا مزاج برہم نہیں ہوتا۔" [1]

بعض جگہ موصوف کا قلم بھی شاہراہِ شریعت کو چھوڑ کر الوہیت کی حدود میں داخل ہو گیا ہے، جس سے شریعت کا مزاج تو کیا پورا نظام شریعت ہی درہم برہم ہو کر رہ

---

[1] نیرِ اعظم، ص ۲۱

جاتا ہے۔ موصوف کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

انسانیت کو بخشی وہ معراج آپ نے

ہر آدمی سمجھنے لگا ہے، خدا ہوں میں [1]

موصوف کے نزدیک سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو جہالت اور بت پرستی کی پستی سے اٹھا کر اعلیٰ اخلاق کا درس دے کر وہ عروج بخشا کہ ہر آدمی اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگ گیا ہے ۔ نبی اکرم، ہادی اعظم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم انسانیت کو توحید کا سبق دینے اور سب کو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکانے کے لیے تشریف لائے تھے نہ کہ نعوذ باللہ انسانوں کو خدا بنانے کے لیے۔ ایک انسان شرفِ انسانیت سے کتنا ہی مشرف کیوں نہ ہو جائے، کتنا ہی عروج کیوں نہ پائے لیکن اتنی ترقی ہرگز نہیں کر سکتا کہ وہ خدا ہو جائے۔ بندوں کو خدا سمجھنا انسانیت کا تنزل تو ہے معراج ہرگز نہیں۔

ایک اور شعر ہے۔

عبد و معبود میں ہے نسبت تام

ہے محمد بھی احمد بے میم [2]

موصوف کے نزدیک بندے اور خدا میں اس درجہ مکمل نسبت ہے کہ باہمی تعلق و نسبت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے میم کے احمد یعنی اَحَد (خدا) ہیں (استغفر اللہ) مزید لکھا ہے۔

عقل کہتی ہے مِثْلُنا کہیے۔

عشق بیتاب ہے خدا کہیے [3]

مفہوم ظاہر ہے۔ نہ جانے اعظم صاحب اپنے اشعار میں لفظِ خدا کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو۔

---

[1] نیرِ اعظم، ص ۸۱ [2] نیرِ اعظم، ص، ۵۰ [3] ایضاً، ص ۶۱

نہاں تا بود در پردہ ۔ خدا بود

چوں ظاہر شد، محمد مصطفیٰ بود

اعظم چشتی صاحب کے نزدیک وہ جب تک پردے میں تھا تو اس کا نام خدا تھا اور جب پردے سے ظاہر ہوا تو محمد مصطفیٰ بن گیا۔ یہ بھی لکھا ہے۔

آگئی سامنے آنکھوں کے اللہ کی صورت

آئے سرکار جو اللہ کی برہان بن کر (نیر اعظم ص ۳۴)

یعنی ان کے نزدیک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی روشن دلیل بن کر تشریف لائے کہ خدا کی صورت ہی سامنے آگئی۔ کیا خدا کی بھی شکل وصورت ہے؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ میری صورت خدا جیسی ہے یا میں خدا کا ہم شبیہ ہوں؟۔ یہ شعر بھی قابلِ غور ہے۔

خالقِ عرش ، سرِ عرش ، بہ صد رعنائی

جلوہ فرما ہے بہ اندازِ دِگر آج کی رات (ایضاً ص ۳۵)

موصوف کے نزدیک اللہ رب العزت معراج کی رات میں تمام رعنائیوں کے ساتھ کسی دوسرے ہی انداز میں سرِ عرش جلوہ افروز تھا۔ لفظ رعنائی خالقِ عرش کے لیے غور طلب ہے۔ جب کہ علمائے کرام نے حبیبِ خدا کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال منع فرمایا ہے۔ غور طلب ہے کہ اس بے نیاز کو رعنائیوں کی ضرورت ہی کیا؟ کیا پہلے وہاں کسی چیز کی کمی ہے؟ بننے سنورنے اور آرائشِ حسن وزیب وزینت کی احتیاج انسان کو ضرور ہے لیکن وہ بے نیاز تو نور ہی نور ہے۔ جس میں نہ کمی ممکن نہ زیادتی۔

وہابی دیوبندی شعراء

: یہ گفتگو اہل سنت شعراء کے متعلق تھی جو لاشعوری میں خطا ہوئی لیکن تو جب کہ علماء اور عاشقانِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشرک کا فتویٰ صادر کرنیوالوں کے

مولوی محمد قاسم نانوتوی کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے جسے سرخیل علمائے دیوبند مولوی رشید احمد گنگوھی نے اپنے خطبات میں تحریر کیا ہے۔

گرفت ہوگی تجھے ایک بندہ کہنے پر

جو ہوسکے بھی خدائی کا اک تری انکار

یعنی اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدائی کا انکار ممکن بھی ہو تو پھر آپ کو بندہ کہنے پر گرفت یقینی ہے بالفاظ دیگر کوئی تیری خدائی نہ بھی تسلیم کرے تب بھی تجھے بندہ نھیں کہا جاسکتا۔ وگرنہ گرفت ہوگی۔ یہ عقیدہ توحید و رسالت سے کس قدر ناشناسی ھے صحیح عقیدہ وہ ہے جو اعلیٰحضرت نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔

میں تو مالک ھی کہوں گا کہ ھو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نھیں میرا، تیرا

یعنی میں تو آقائے کون و مکاں صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو ساری کائنات کا (مجازی) مالک ھی کہوں گا کیونکہ آپ مالکِ دوجہاں کے حبیب ھیں چونکہ محبت کا تقاضا یہی ھے کہ محب اور محبوب کے درمیان یہ سوال ھی ختم ھوتا ھے کہ یہ میرا ھے وہ تیرا ھے۔ بلکہ جس شے کا محب مالک ہوتا ہے محبوب کو بھی اسی کا مالک بنا دیتا ھے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب کی ملکیت اور ملوکیت کو ثابت کیا ھے اور شریعت مطہرہ کے عین مطابق عقیدہ ظاھر کیا۔ لیکن نانوتوی صاحب ایک جانب تو حبیبِ خدا کی خدائی کا انکار ناممکن بتا رہے ھیں اور دوسری جانب اسے گرفت کی وعید سنا رھے ہیں جو آپ کو بندہ کہے حالانکہ تمام کائنات سے افضل اور بعد از خدا بزرگ و برتر ھونے کے باوجود یقیناً آپ خدا کے بندے ھیں۔

اکابر کا حال نہایت زبوں ھے صرف ایک مثال حاضر ہے۔

(بشکریہ۔ شرح حدائق بخشش۔ رضا دار الاشاعت۔ لاھور۔ پاکستان)

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
- علماءِ اہلِ سُنّت وجماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج واشاعت میں دِن رات کوشاں رہنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
- اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
- ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی